corp

لالہ رُخ

ٹامس مور کی شہرۂ آفاق مثنوی کا اُردو ترجمہ

مترجمہ

ل۔ احمد اکبرآبادی

احمد ل۔ اکبر ابادی

بار دوم

قیمت :۔ تین روپے پچاس نئے پیسے

ل۔ احمد اکبر آبادی کی اجازت سے

مینجر۔ نیا کتاب گھر جامع مسجد دہلی نے شائع کیا

(خواجہ برقی پریس دہلی)

تقریب

"لالہ رُخ" کو انیسویں صدی کے انگریزی ادب میں جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس وقت تین ہزار گنی دے کر لانگ مین کمپنی نے اس کو شائع کیا تو دنیا کا کوئی انگریزی دان حلقہ الیسا نہ تھا جو چونک نہ پڑا ہو۔ اور اس کی داد دینے پر مجبور نہ ہو گیا ہو

ٹامس مور، اس کا مصنف، آئرستان کا رہنے والا تھا اور معمولی خاندان سے تعلق رکھتا تھا لیکن اس کا ذوق شاعری ثانوی تعلیم ہی کے دوران میں ایک مخصوص انداز اختیار کر چکا تھا جو کامل تیس سال تک پختہ ہونے کے بعد "لالہ رُخ" کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس سے قبل بھی مور چند کتابیں لکھ چکا تھا۔ اس کے بعد بھی کئی تصانیف شائع ہوئیں لیکن لالہ رُخ چونکہ اسکی انتہائی عروج ذہنیت کی پیداوار تھی اس لئے وہ اس کی قوت شاعری کی ایک مرموز صورت (SYMBOL) بن گئی یہاں تک کہ اب جب لالہ رُخ کا نام لیا جاتا ہے تو فوراً مور کا نام بھی زبان پر آجاتا ہے اور جب مور کا ذکر آتا ہے تو بلا قصد و ارادہ لالہ رُخ کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔

اُس کی یہ مثنوی اس قدر کیوں مقبول ہوئی؟ اس کے دو سبب تھے

ایک تو یہ کہ فسانہ کا پس منظر ایشیا کی وہ سرزمین ہے جو اہل مغرب کی کشش کے لئے اپنے اندر بہت کچھ عجائب و غرائب رکھتی ہے اور دوسرے یہ کہ مورّخ نے اس میں جس تخیل سے کام لیا ہے وہ اتنی اچھوتی، اس قدر نازک اور اس درجہ حیرت میں ڈال دینے والی ہے کہ مغرب اس کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ پھر ساتھ ہی ساتھ چونکہ اس کے پلاٹ میں افسانہ، رومان اور طلسم سب ہی کچھ شامل ہے اس لئے ان تمام باتوں نے مل کر اس کے اندر ایک شاعرانہ کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اور اس کے پڑھنے کے بعد انسان ایسا محسوس کرتا ہے کہ وہ حسن و محبت کی اس تمثالی (UIOPIOR) دنیا میں پہنچ گیا ہے جس سے قطع نظر کرنے کے بعد عشق و شباب کے کوئی صحیح مفہوم متعین نہیں کر سکتا۔

لالہ رُخ بالکل فرضی ہستی ہے! اور اس داستان کو تاریخ سے مطلقاً کوئی لگاؤ نہیں، لیکن جس وقت کشمیر کی ایک عمیق و ساکن جھیل کے کنارے ایک سنسان باغ اور اس کے ویران کھنڈر سے نکل کر ایک خستہ حال درویش ہم کو یہ بتاتا ہے کہ اس کو "لالہ رُخ کا باغ کہتے ہیں" تو ہم ایسا محسوس کرنے لگتے ہیں کہ فرامرز کے نغمے شاید اب بھی یہاں گونج رہے ہیں اور لالہ رُخ نقاب ڈالے ہوئے یہیں کسی گوشے میں ان نغموں کو سُن سُن کر بے تاب ہوئی جا رہی ہے۔

فسانہ کا پلاٹ مختصراً یہ ہے کہ بخارا کا فرمانروا شہنشاہ دہلی کا مہمان ہوتا ہے۔ قیام کے دوران میں اس کے ولی عہد اور دہلی کی شہزادی لالہ رُخ کی

نسبت قرار پا جاتی ہے اور یہ بھی طے پاتا ہے کہ شادی کی رسم کشمیر کی وادی میں عمل میں آئے، اور نوشہ و عروس وہاں کچھ دن قیام کر کے پھر بخارا جائیں

شاہِ بخارا نے جو خدام اور کنیزیں عروس کی معیت کے لئے روانہ کیں ان میں ایک کشمیری مغنّی فرامرز بھی تھا جو ہر منزل پر لالہ رُخ کو گا گا کر کہانیاں سنایا کرتا تھا۔ لالہ رُخ اس نوجوان سے اس قدر مانوس ہو گئی کہ وہ اس کی جدائی کے خیال سے ملول ہو جاتی تھی لیکن جب بعد کو اس پر یہ راز ظاہر ہوا کہ جس کو وہ کشمیری مغنّی سمجھتی تھی وہی حقیقتاً اس کا شوہر ہے تو اس کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ مورؔ نے فسانے کی یکسانیت دُور کرنے کے لئے ایک کردار فضل الدین کا بھی شامل کیا ہے جو حد سے زیادہ خشک فلسفی واقع ہوا ہے اور جس کی تنقیدیں ہمیں واشنگٹن ارونگ کے فسانے "زائرِ محبت" (PILGRIM OF LOVE) میں ابن یامین کی یاد دلاتی ہے جو شاہزادہ احمد کا اتالیق صرف اس غرض سے مامور کیا گیا تھا کہ وہ اسے عشق و محبت کی باتوں سے آگاہ نہ ہونے دے درآنحالیکہ یہ ہو کر رہا۔

مورؔ نے اس مثنوی میں فرامرز کی زبان سے چار کہانیاں لکھوائی ہیں جنہیں سے "مقنع" اور "نور محل" کا پس منظر ایک حد تک تاریخی ہے اور "آتش پرستارانِ فارس" محض ایک رُومان، چوتھی مثنوی "پری دروازۂ بہشت پر" یکسر تخیلی چیز ہے۔ اس مثنوی کا ترجمہ ہمارے عزیز دوست جناب لطیفؔ اکبرآبادی نے نگار جاری ہونے پر کیا اور اس میں مسلسل شائع ہو کر مکمل ہوا تھا۔

لوگ کہتے ہیں کہ فنی و علمی کتابوں کا ترجمہ دشوار ہے لیکن میں سمجھتا ہوں،

کہ دوسری زبان کی انشائے عالیہ کو اپنی زبان میں منتقل کرنا اس سے کہیں زیادہ دشوار ہے۔ فن کی کتابوں میں دشواری وضع اصطلاحات کے سلسلے میں تو ہوتی ہے جو بہر نوع محدود و متعین ہیں۔ لیکن ادب و انشاء کی نزاکتیں چونکہ غیر محدود ہیں اس لئے ان کو ترجمہ میں قائم رکھنا، قابلیت و مشق سے زیادہ ایک ایسے ذوق کو چاہتا ہے جو ان نزاکتوں کی لذت سے سرشار ہونے کے بعد، اپنی کیفیات کی تصویر بھی الفاظ میں کھینچ سکتا ہو، اور یہ خصوصیت صرف اس آرٹسٹ میں پائی جاسکتی ہے جو تمام فنون لطیفہ کا پاکیزہ ذوق رکھتا ہو۔ پھر، ایک ادبی تصنیف اپنی تخئیل کے لحاظ سے جتنی بلند ہوگی، اتنا ہی ترقی یافتہ ذوق ادب اس کے ترجمے کے لئے درکار ہوگا۔ اور اگر یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ مور کی لالہ رُخ اس حیثیت سے نہایت بلند چیز ہے تو ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کے مترجم کا ذوق بھی اتنا ہی بلند ہونا چاہئے۔ اور اسلئے جناب لطیف کی پاکیزگیٔ ذوق کا ثبوت اس سے زیادہ کوئی نہیں ہوسکتا کہ ہمارے اہل قلم جلتے ہیں سب سے پہلے انہیں کا خیال اس طرف منتقل ہوا اور انہوں نے اس کا ترجمہ کرنے کی ہمت کی۔

مور کی یہ تصنیف اگر نثر میں ہوتی تو شاید اس کے ترجمے میں اتنی زحمت نہ ہوتی لیکن چونکہ وہ نظم ہے اس لئے تخئیل کی نزاکتیں اس میں از حد دقیق و پیچیدہ ہوگئی ہیں۔ اور غالباً لطیف سے کمتر ذوق رکھنے والا انسان کبھی ان نزاکتوں کو اپنی زبان میں منتقل کرنے پر قادر نہ ہوسکتا۔

مجھے نہیں معلوم کہ اس مثنوی کا ترجمہ یورپ کی کن کن زبانوں میں ہوا ہے

لیکن یہ جانتا ہوں کہ ایشیا کی زبانوں میں غالباً یہ فخر اُردو کو حاصل ہے، کہ اس میں سب سے پہلی مرتبہ یہ کتاب منتقل کی گئی، اور اس فخر کا باعث لطیف کی ذات ہے۔

میں ترجمے کے محاسن پر تفصیلی بحث کرنا ضروری نہیں سمجھتا، کیونکہ اول تو دیکھنے والے خود ہی سمجھ لیں گے کہ مترجم کا قلم کن کن نازک مواقع سے کس خوبی کے ساتھ گزرا ہے اور دوسرے اس لئے کہ اگر میں ان کو بیان کروں بھی تو اس کے یہ معنی ہیں کہ پوری کتاب نقل کر کے رکھ دوں اس کا ہر ہر جملہ، ہر ہر فقرہ، بلکہ ہر ہر لفظ اپنی جگہ نگینے کی طرح جڑا ہوا ہے۔

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں یہ مثنوی بالاقساط نگار ۲۳ء میں شائع ہو چکی تھی اور اس کے بعد اسے کتابی صورت میں لانے کا خیال تھا لیکن جو اہتمام اس وقت پیش نظر تھا وہ بعض ناگزیر اسباب کی بناء پر پورا نہ ہو سکا، اور نگار بک ایجنسی نے اسے کسی نہ کسی طرح ایک مجلد میں شائع کر دیا تاکہ جن حضرات کے پاس نگار کا فائل نہیں یا جو تمام اجزاء یکجا نہ ہونے کے باعث مطالعہ کا پورا لطف نہ اُٹھا سکے وہ اس کو ایک شیرازہ سے وابستہ دیکھ سکیں اب وہ ایڈیشن بھی ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ دوسرا ایڈیشن پیش کیا جائے۔ چنانچہ اس خدمت کو مکتبۂ ادب دہلی پورا کر رہا ہے۔ امید ہے کہ نسبتاً زیادہ حسن اہتمام کے ساتھ اس ضرورت کو پورا کر سکے گا۔

لالہ رُخ کے ترجمے کے بعد جناب لطیف کی مشق انشاء بہت زیادہ پختہ ہو گئی ہے اور ان کے متعدد مجموعے شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ لیکن

لالۂ رُخ کی اہمیت اپنی جگہ بدستور قائم اور اس کے اُردو میں منتقل ہو جانے سے جو اضافہ اُردو ادب لطیف میں ہوا ہے، وہ کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا۔

نیازؔ فتحپوری

لالہ رُخ

خاندان زنج کا مشہور بادشاہ عبداللہ اس نیت سے کہ عمر کا باقی حصّہ یادِالٰہی میں بسر کرے، بخارا ئے کوچک کا تاج و تخت اپنے بیٹے کو سپرد کر کے حج کے سفر پر روانہ ہوا اور کشمیر کی دلکش وادیوں کو طے کرتا ہوا دہلی آیا۔

یہ زمانہ شہنشاہ اورنگ زیب کے گیارھویں سال جلوس کا تھا۔

اورنگ زیب نے حد درجہ احترام اور عزّت کے ساتھ عبداللہ کی پذیرائی کی اور ایسے شاندار طریقے سے اُس کا خیر مقدم کیا، جو میزبان و مہمان دونوں کے شایان شان تھا خیر مقدم اور مدارات میں حسب عالی حوصلگی کا اظہار کیا گیا تھا۔ اسی عظمت اور اہتمام کے ساتھ شاہ عبداللہ دہلی سے سورت تک (جہاں سے شاہی قافلۂ حجاج عربستان کے لئے جہاز پر سوار ہونیوالا تھا) پہنچایا گیا۔

دہلی میں ملک عبداللہ کے اس چند روزہ قیام کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ شہنشاہ اورنگ زیب کی سب سے چھوٹی لڑکی شاہزادی لالہ رُخ کی نسبت اس کے لڑکے کے ساتھ قرار پاگئی۔

لالہ رُخ کے حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ اس کے ذکر سے اس وقت

کے تمام شعراء کا کلام معمور نظر آتا تھا۔ اور ایک عام خیال یہ تھا کہ لالہ رُخ کے سامنے لیلیٰ کی ملاحت، شیریں کی صباحت، اور دیوں دیوی کی نزاکت کا ذکر کرنا فطرت کی صناعیوں کے گویا ابتدائی نمونے پیش کرنا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ صنمیات یونان کی تمام وہ حسین دیویاں جن کے نام شعر و نغمہ کا موضوع قرار دیئے جاتے ہیں۔ ان چھوٹے چھوٹے پھولوں کی طرح تھیں جو گلدستے کے حاشیہ پر نظر آتے ہیں۔ اور لالہ رُخ اس گلدستہ کا مرکزی گلاب تھی۔

یہ بھی قرار پایا تھا کہ مراسم عروسی کشمیر کی نکہت بار وادی میں ادا کئے جائیں، اور دولہا دلہن، چند دن اس جنت ارضی میں قیام کرنے کے بعد دارالسلطنت بخارا کو واپس جائیں۔

وہ دن بھی عجیب دن تھا، جب شاہزادی کشمیر کی طرف روانہ ہوئی دہلی کا ہر بازار اطلس و کمخواب کے زرکار پردوں سے آراستہ تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ ہندستان کا تمام سونا چاندی دیواروں پر چڑھا دیا گیا ہے حسین اور خوش رنگ لباس پہنے ہوئے بچوں کے گروہ جلوس کے راستہ میں پھول بکھیرتے نظر آتے تھے، جو ایران کی قدیم رسم "گل افشاں" کی یاد دلاتا تھا۔

پھولوں کے تعطر کا یہ عالم تھا کہ گویا اس طرف سے ختن کا کوئی قافلہ مشک کا انبار لئے ہوئے گزر گیا ہے! جمنا کے شفاف پانی پر سیکڑوں سجائی ہوئی کشتیاں اس طرح دوڑتی پھر رہی تھیں گویا وہ خود بھی پانی

کی رنگین موجیں تھیں۔

شاہزادی شہنشاہ سے آخری بار رخصت حاصل کرنے گئی۔ اورنگ زیب نے شفقت پدری میں ایک بیش قیمت ہار چشم پرنم کے ساتھ اپنی پیاری بیٹی کے گلے میں ڈال دیا۔ لالہ رخ نے فقیروں اور مسکینوں کے لئے نذریں روانہ کیں اور ملول و غمگین، محافے کے اندر سوار ہوگئی۔

جس عظمت و شان کے ساتھ یہ جلوس روانہ کیا گیا۔ وہ ایسا نظارہ تھا جسے نگاہِ آفتاب نے شاید ہی کبھی دیکھا ہو۔ شاہی محل سے لے کر مضافات شہر کے باغات تک حشم و خدم کا ایک سلسلہ قائم تھا۔ تمام امراء دار اکین، تزک و احتشام کے ساتھ جلوس میں شریک تھے اور شاہزادی لالہ رخ اپنے محافے میں کسی حسین مورت کی طرح خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ محافے کی کھڑکیوں پر ہلکے گلابی رنگ کی ریشمی چلمنیں پڑی ہوئی تھیں، تاتاری و کشمیری خواصیں سفید عربی گھوڑوں پر سوار حلقہ کئے ہوئے تھیں، جن کو شاہ بخارا نے شاہزادی کی جلو میں چلنے کے لئے مخصوص طور پر بھیجا تھا۔

فضل الدین، ناظر اعظم، جو شاہزادی کے محافے کے پیچھے پیچھے ہوادار میں سوار تھا باوجود حد درجہ مرتاض اور تنک مزاج ہونے کے اس منظر سے نہایت خوش تھا اس کی ہمہ گیر قابلیت کا ہر شخص معترف تھا، وہ اگر ایک طرف نقاش تھا، ایسا نقاش کہ حسینان سرکیشیا کی آنکھوں پر پڑی ہوئی خوبصورت پلکوں کو بھی اپنے قلم سے اچھی طرح ظاہر کرسکتا تھا، تو دوسری طرف حکیمانہ مسائل پر تبحر اور ادیبانہ نکات کے بیان میں

بھی وہ یدِطولیٰ رکھتا تھا! وہ اگر طب کے نسخوں کی تیاری کا اعلیٰ ترین ماہر تھا۔ تو غزل اور قصیدہ گوئی کا بھی بہترین استاد تھا اور یہی باعث تھا کہ اُس وقت کے تمام شعراء اس کا احترام کرتے تھے اور عام تنظیمِ حکومت میں بھی اُسے بڑا اقتدار حاصل تھا۔

سفر کے ابتدائی ایام میں لالہ رُخ کی فرحت و دلچسپی کے لئے (جس کی ساری عمر دہلی کے شاہی خیموں کے سایوں میں گذری تھی) روز مناظر کا بدلتے رہنا یقیناً دعوتِ ذوق و نظر تھا، کیونکہ جب آفتاب کی تپش کے بعد شام کو یہ قافلۂ عروسی کسی دریا یا چشمے کے کنارے قیام کرتا، تو طبیعت کو عجیب لطف و سکون حاصل ہوتا تھا۔ لیکن اُس جدت پسند طبیعت، اور عنفوانِ شباب کا تلوّن اب اس لطف سے بھی بیزار نظر آنے لگا تھا، خواجوں کی ظرافت اور ناظرِ اعظم کے لطائف (یہی تنہا ایک مرد تھا جو شاہزادی کے خیمے میں داخل ہو سکتا تھا) اگرچہ اس قابل ہوتے تھے کہ وہ اپنی بیداری کے لمحوں کو جب فرقِ ناز آشنائے بالش نہ ہو۔ ان کی نذر کر دے مگر لالہ رُخ کو اُن سے بھی کوئی دلچسپی نہ رہ گئی تھی۔ شاہزادی کی نہایت محبوب کنیز ایک ایرانی خادمہ تھی جو اکثر شاہزادی کو بسترِ خواب پر اپنے لطیف گیتوں سے سلانے کی کوشش کیا کرتی تھی! یہ کنیز اپنے نشہ آور لحن میں کبھی تو وامق عذرا کا فسانۂ عشق سنایا کرتی تھی اور کبھی شیریں و فرہاد کی داستانِ محبت مگر اب لالہ رُخ کو اس کے افسانوں میں بھی کوئی لطف نہ آتا تھا۔ دورانِ سفر میں بعض مقامات پر کرشن کے پجاریوں

نے شوالوں کی مغنیہ مرلیوں کو بھی شاہزادی کا جی بہلانے کے لئے بھیجا، مگر لالہ رُخ کے تکدر کو یہ بھی دُور نہ کر سکیں، اور قیام کی گھڑیاں تو خصوصیت کے ساتھ نہایت ہی بے مزا گزرنے لگیں۔

اس حالت کو دُور کرنے کے لئے کسی کو خیال آیا کہ شاہ بخارا کے بھیجے ہوئے خدام کے ساتھ جو نوجوان کشمیری شاعر آیا ہے جس کے خوشنوائی کی تمام کشمیر میں شہرت ہے، طلب کیا جائے۔ کہا جاتا تھا کہ وہ مشرق قدیم کے افسانے ایک خاص ترنم کے ساتھ سناتا ہے۔ علاوہ اس کے شاہ بخارا کی طرف سے اُسے اجازت بھی تھی کہ شاہزادی کے خیمے میں داخل ہو کر اپنے گانے سے شاہزادی کا جی بہلائے۔ لیکن شاعر کا لفظ سُنتے ہی فضل الدین چیں بجبیں ہوا وہ اس لحاظ سے ایسا خشک آدمی واقع ہوا تھا کہ کرشن کی مرلیوں کی مہندی لگے پاؤں کی طلائی پازیبوں کی جھنکار میں بھی اس کے لئے کوئی دلکشی نہ تھی چہ جائیکہ ایک گمنام شاعر! لیکن چونکہ شاہزادی کی افسردگی سے وہ خود بھی حیران اور متفکر تھا۔ اس لئے اُس نے شاعر کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔

فرامرز حاضر کیا گیا۔ چونکہ شاہزادی اُس سے قبل اپنے حجلے کی جھلملیوں سے اس شاعر کو شہنشاہ اورنگ زیب کے دربار میں داخل ہوتے اس وقت دیکھ چکی تھی جب شاہ بخارا کے بھیجے ہوئے تحائف پیش کئے جا رہے تھے اور چونکہ اس وقت شاہزادی نے اس کے متعلق کوئی پسندیدہ اثر قبول نہ کیا تھا، اس لئے اس وقت بھی اسے دِل بستگی کی کوئی خاص توقع پیدا نہیں ہوئی۔

فرامرز کا عنفوانِ شباب تھا، اس کی عمر تقریباً شاہزادی کی عمر کے برابر

تھی۔ اس کے مردانہ حسن میں وہی دلکشی پائی جاتی تھی جو ہندستان کی عورتوں کو اُن کے پُر شباب خدائے حسن، کرشن کی مورت میں نظر آتی ہے۔ وہ کرشن جس کی آنکھوں سے ان پرستارانِ محبت کو موسیقی سانس لیتی نظر آتی ہے اور جس کے خیال سے ان کے جذباتِ پرستش میں محبت کا ایک طوفان پیدا ہو جاتا ہے۔

فرامرز کا لباس اگرچہ سادہ تھا مگر قیمتی، اور اس کی خوش ذوقی کو ظاہر کرنے والا! اُس کے گلکار کاشانی مخمل کے کمر بند میں خوبصورت موتیوں کی جھالر لٹک رہی تھی جس کی بے ترتیبی میں بھی اک حُسن پیدا تھا کشمیری نوجوان نے اپنا ستار اٹھایا، وہ ستار جسے دوشیزگانِ عرب قصر الحمراء کے باغاتِ نارنج کے اندر چاندنی میں سُنا کرتی تھیں۔

فرامرز نے شاہزادی لالہ رُخ کے مراسم کورنش بجالا کر عرض کیا کہ جو مثنوی وہ سُنانے والا ہے اس میں خراسان کے اُس نقاب پوش پیغمبر کی داستان بیان ہوئی ہے جس نے سرزمین فارس پر ۱۶۳ھ میں ایک عظیم ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ یہ بتانے کے بعد اس نے گانا شروع کیا۔

خراسان کا نقاب پوش پیمبر

سرزمین فارس کے شاداب قطعۂ ملک ہیں، جہاں مہرِ عالمتاب روزانہ اپنی اچھوتی کرنیں نچھاور کیا کرتا ہے جہاں آفتاب کی روشن شعاعیں، رنگین پھولوں اور شیریں پھلوں کے ساتھ ملی ہوئی، قدرتی چشموں کے اندر اپنا حُسن دیکھ کر رنگ انفعال میں ڈوب ڈوب جاتی ہیں، جہاں رودِ مرگا گنجوں اور محلوں کے اندر ہو کر بہتا رہتا ہے۔ عظیم الشان مقنع اپنے تختِ عظمت و جلال پر متمکن ہے! اس کا چہرہ نقاب میں، باریک نقرئی تاروں کے نقاب میں مستور رہے، کیونکہ انسانی نظریں اس کی تجلی و جمال کے نظارے کی تاب نہیں لا سکتی ہیں۔ منتخب معتقدین کی جماعت جو ابن مقنع کی تبلیغ کی حمایت و حفاظت میں نوک شمشیر کی جنبش کو طلاقتِ لسانی سے زیادہ فصیح سمجھتی ہے۔ دونوں طرف صف بستہ کھڑی ہے! اس جماعت میں ایک متنفس بھی ایسا نہیں جو اپنے امام ملت کا ادنیٰ سا اشارہ پانے کے بعد اپنے دل کو نیام شمشیر بنا دینے میں ذرا بھی تامل کرے۔ اور اس کی جنبش لب پر اپنی جان دے دینا باعث نجات نہ خیال کرتا ہو!

ابن مقنع اور اُس کی جماعت کو جو بغض و عناد، خلافت بغداد کے

شب رنگ پرچم کے ساتھ ہے اس کا اندازہ ان جنگی تیاریوں سے ہو سکتا ہے کہ اُن میں سے ہر ایک اپنے فداکارانہ جذبات میں موت و زلیست کی دونوں حالتوں کو جنات نعیم کا ضامن سمجھتا ہے اور اس ولولے کے تحت وہ اپنے حقیر سے حقیر سلاح جنگ کو بھی ہر وقت صیقل سے آراستہ رکھنے میں منہمک رہتا ہے۔

ایوانِ تخت اور اس کی طلاء کار چھت کے درمیان، جو مرصع ستونوں پر قائم ہے، متعدد دریچے ہیں جن پر حریر و دیبا کے نفیس و نازک اور ہلکے رنگ کے پردے پڑے ہوئے ہیں، اور جس طرح ایک ہلکے پارۂ ابر میں سے حد درجہ تیزی کے ساتھ کبھی کبھی بجلی چمک جاتی ہے اسی طرح ان باریک اور خوش رنگ پردوں میں سے بھی گاہے گاہے ایوان محتشم کے جلیسوں پر برق نظر کوند جایا کرتی ہے۔ یہ اجتماعِ نزہت و پاکیزگی، یہ محشرستان حسن و جمال کون کہہ سکتا ہے کہ یہ کسی انسانی قوت کا کام ہے؟ معلوم ہو رہا ہے کہ چند دن کے لئے فردوس معہ اپنی تمام حسین آبادی کے زمین پر منتقل کر دی گئی ہے اور خدا جانے کس وقت یہ سارا ایوان پھر پر لگا کر اڑ جائے گا!

چشم آفتاب جہاں تک دیکھ سکتی ہے کوئی خوبصورت نسل انسانی ایسی نہ تھی جس کے چمنستان حسن کے بہترین اور نمو آشگوفے وہاں مہیا نہ کئے گئے ہوں، ہندوستان کے شوالوں میں جبین نیاز جھکا دینے والی کنواریاں، یمن کی وادیوں میں حشر خرام برپا کرنے والی دوشیزگانِ نوخیز، ایران کی آہو چشمان شوخ و مضطرب خطاب کی شوخ نگاہانِ فسوں پرواز، جارجیا کے غنچہ ہائے نورس، عرب کی

تبسم ریزان ملیح، اور زریں حلقہ ہائے مو رکھنے والی لعبتانِ فرنگت! غرض ہر حصۂ زمین نے اپنے بہترین پھول مقنع کی اس فردوس کی آرائش کے لئے پیش کر دیئے تھے! لیکن لبس نمائش اسلحہ کے کیا معنی ہیں؟

مقلدین مقنع کے ہجوم سے سارا ایوان بھرا ہوا ہے، برقع پوش پیغمبر کے ادنیٰ اشارے پر تمام حاضرین کے سر جھک جاتے ہیں اور ان کے زنگا رنگ لباسوں میں ایسا تموج پیدا ہو جاتا ہے جس طرح زنگار رنگ لالہ زار پر ہوا کا کوئی سخت جھونکا گزر جائے! وہ کونسا ایسا راز ہے جس پر آج تمام پیرو اپنے خون سے مہر ارادت ثبت کرنے کے لئے جمع نظر آ رہے ہیں؟ اور وہ کونسا نیا معجزہ ہے جسے مقنع آج اس اہتمام کے ساتھ پیش کرنیوالا ہے؟

ایوان کے سامنے دفعتہً، ہجوم میں سے ایک نوجوان فوجی نمودار ہو کر جلوہ گاہِ رسالت کی طرف آ رہا ہے۔ اس کے ہاتھ میں نقرئی کمان ہے قیمتی ریشم کا رومال کمر سے لپٹا ہوا ہے، بخاری وضع کی سموری ٹوپی زیب سر ہے۔ آنکھیں اس طرح چمک رہی ہیں جیسے گرمی کی رلت میں مریخ! یہ نوجوان اس لئے آیا ہے کہ مقنع کا مذہب اختیار کرے اور اس کے الہامی جھنڈے کے نیچے کھڑا ہو!

عظیم ہر چند ابھی نوجوان تھا لیکن برف پوش کوہ اولمپیا کے اس طرف مغربی ممالک میں، اس کی شہرت ضرب المثل ہو چکی تھی، اور قبل اس کے کہ شباب اپنی سبزی اس کے رخساروں پر نمودار کرتا۔ وہ ایک زبردست جنگ میں داد سپہ گری دے کر۔ یونانیوں کے ہاتھ میں گرفتار تھا، اور

جب تک صلح نہ ہو گئی وہیں قید رہا۔ پھر ایسا کب ہو سکتا تھا کہ کوئی سرزمین یونان پر قدم رکھتا۔ اور اس کے خیالات میں بلندی اور جذبات میں غلو نہ پیدا ہو جاتا ؟ چنانچہ عظیم جب اپنے وطنِ عزیز کو واپس ہو رہا تھا، تو اس کی نیندیں بھی آزادی کے خوابوں سے معمور تھیں، اور اس کا دماغ حریت کے جذبات سے لبریز تھا! مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ فریب خوردۂ تخیل تھا! جس طرح افق کی حسین فریب کاری ہماری نظروں کو آسمان و زمین کے اتصال کا یقین دلاتی رہتی ہے، اسی طرح جب عظیم نے سُنا کہ ایک مقدس تلوار بنی نوعِ انسان کی بہبودی کے لئے بلند کی گئی ہے اور جس وقت اس نے ابن مقنع کے لشکر کا لہراتا ہوا ایک رنگ سفید جھنڈا دیکھا جس پر "حریتِ عالم" کے درخشاں الفاظ لکھے تھے، اس کا عقیدہ اسی وقت قائم ہو گیا اور اس کی روح و شمشیر دونوں نے اس الہامی دعوت کو لبیک کہہ دیا تھا۔

مقنع کے دربار کی مخصوص تیاریاں جس نئے معجزے کے اظہار کیلئے تھیں وہ اسی نوجوان ہستی کے حلقہ بگوش ہونے کا معجزہ تھا۔ کیونکہ مقنع پر روشن تھا کہ عظیم کی تنہا ہستی کسی طرح پوری فوج سے کم نہیں ہے۔ آہ تلاشِ حقیقت کے جوش میں بے صبر ہو جانے کی اچھی مثال شاید ہی نظر آئے اور شاید ہی کوئی انسانی روح عظیم کی روح سے زیادہ سروشِ غیبی کی فریفتہ ہو! یہی باعث ہے کہ یہ جوش و شوق سے معمور کامل نوجوان سپاہی مقنع کے رعب سے زرد ہوا جا رہا ہے اور اسے کامل یقین ہو گیا ہے کہ اس

ہستی کے سامنے وہ زمین بوس ہو رہا ہے، وہ ایک فرشتۂ رحمت ہے جو دنیا کو ذلت و ظلمت سے آزاد کرانے آیا ہے!

عظیم کے جھکتے ہی تمام عقیدت مند جماعت کے سر زمین سے لگ گئے اور نعرہ اللہ اکبر ایک دیر پا آواز کے ساتھ بلند ہوا! مسندِ پیغمبری کے اوپر صدہا ہیرے تھیں، جو ایوان کے اندر آنے والی شعاعِ آفتاب کی روشنی میں لہرا رہی تھیں۔ سایہ افگن تھیں۔ جس طرح سلیمان کے سر پر سفید پرند اپنے پروں کو پھیلائے رہتے تھے! نقرئی نقاب حرکت میں آیا اور اس کے اندر سے نکل کر یہ آواز فضا میں گونجنے لگی:۔

"اے نووارد! ہر چند ہم سب دیکھتے ہیں کہ اس وقت تیری روح کا مسکن یہ جسم خاکی ہے لیکن اس روح کا طریق سفر مجھ پر اس زمانے سے روشن ہے جس کی کوئی ابتدا متعین نہیں کی جا سکتی! مجھے ہر ہر موقع کا علم ہے کہ کب، اور کس طرح تبدیل قالب ہوتا رہا ہے! جس طرح میں ارواح آتشیں کا حال جانتا ہوں کہ وہ کیونکر یکے بعد دیگرے نئے نئے منور قالب اختیار کرتی رہتی ہیں۔ اسی طرح مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تیری روح کا غیر فانی شعلہ اس وقت تک کہاں کہاں رہا۔ اور وہ کیونکر مقصود حقیقی کو پا سکتا ہے۔"

"یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ کایا پلٹ صرف دنیا داروں کی روحوں کا طریق کار ہے، نہیں، بلکہ تمام مقدس ہستیاں بھی

اس فنا پذیر تاریکی میں سے گذرتی ہیں۔ تاکہ انجام کار وہ
نورانیت حاصل کر لیں۔ یہی تو میرا وہ جوہر تھا جو آدم کے وجود
میں چمکا، اور تمام ساکنان عرش نے سوائے ایک مغرور ہستی
کے اُسے سجدہ کیا! اور پھر مختلف زمانوں میں مختلف پیغمبروں
کی ہستیوں میں جلوہ افروز ہوتا رہا۔ یہی وہ شعلہ تھا جو
موسیٰ کی ہستی میں روشن ہوا، عیسیٰ کے قالب میں منور
ہوا اور پھر محمدؐ کے سینے میں مشتعل رہا! پھر جس طرح ایک
چشمہ جاری ہو کر پہاڑوں کی بلندی سے گرتا ہوا زمین کی
سطح پر بہتا ہوا ایک جھیل میں سکون پا جاتا ہے۔ اسی طرح
اس روح مقدس کا مظہر اس وقت میری ذات ہے!"

ان الفاظ کے ادا ہونے پر مجمع میں حرکت کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے اور ہزار ہا آوازیں تحیۃ وصلوٰۃ میں بلند ہو جاتی ہیں! تلواروں کی نوکیں آسمان کی سمت اُٹھ جاتی ہیں اور تخت کے اوپر غرفوں کے پردے جن کے لئے اندر کے تماشائے جمال کو مستور رکھنا دشوار تھا۔ جنبش میں آجاتے ہیں مرمریں کلائیاں۔ کافوری باہیں، ریشمی رومالوں کو جنبش میں لا کر سارے ایوان کو ایک لطیف خوشبو سے بسا دیتی ہیں! گویا کہ حوریں بھی اپنے فردوسی کنجوں میں سے عظیم کا خیر مقدم کر رہی ہیں! مقنع پھر کہتا ہے:۔

لیکن جو کچھ میں نے کہا وہ ایسے ارفع و اعلیٰ حقائق ہیں جو
بہت زیادہ تقدس کے طلب گار ہیں! اس لئے یہ تلواریں

جو تمہاری زیبِ کمر ہیں۔ اُن کو بلند ہونا چاہئے تاکہ انسانیت کی ظلمت و تاریکی کا قیدخانہ مسمار کیا جائے، معصیت آلود دنیا آنے والی طمانیت کی جلوہ افروزی کی اہل ہو سکے! اور صداقت کی روشنی دُنیا کو منوّر کر دے، چمکا دے!

"اے شمشیر برادرانِ حق و صداقت، صرف اس وقت جب کہ تمام دنیا کی حکومتوں کے جھنڈے تمہارے علم مقدس کے سامنے سرنگوں اور تمام مذاہب عالم کی عبادت گاہیں تمہارے مذہب کی طاقت سے مسمار ہو جائیں گی۔ آزاد شدہ انسان اپنی غلامی کی بیڑیاں، ظالم بادشاہ اپنے مرصع تاج و تخت فاتح اپنا مالِ غنیمت، اور مذہبی واعظ اپنی کتابوں کو ان قدموں پر ڈال دیں گے، صداقت کے لبوں کا تنفس ایک بگولے کی طرح انسانی سیہ کاریوں کے تاریک پہاڑوں کو اڑا دے گا! ہاں، صرف اُس وقت دُنیا پر حقیقت کی حکومت قائم ہو سکے گی، اور انسانیت سچی زندگی سے معمور ہو کر بہارِ عالم کے اُس ابرِ درخشاں کی روشنی میں قدم بڑھائے گی جس کی پاکی اور صفائی کے سامنے بلور کی حقیقت اک فریب ہے!

یہ وہ وقت ہوگا کہ تمہارے پیغمبر کی مقدس اور سماوی پیشانی کا نقاب، جو اُس کی تجلیوں کو چھپائے ہوئے ہے دفعتہً

اُٹھ جائے گا، اور مسرور و مطمئن دُنیا اس کے چہرے کی برکتوں سے فیض پائے گی۔ اور اس کی تجلیوں سے جگمگا اُٹھے گی! پس اے نوجوان سپہ گر، میں تیرا خیر مقدم کرتا اور آگاہ کرتا ہوں کہ تجھے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے، اپنی کمزوریوں کو خیرباد کہنا ہے، یہاں تک کہ تجھے وہ درجہ حاصل ہو کہ تیری سفید دستار طرۂ اعزاز سے آراستہ کی جائے لیکن یاد رکھ کہ میرے الطاف، میری برکتیں تجھ پر نازل ہیں اور ہمیشہ رہیں گی!"

دربار ختم اور درباری رخصت، مگر اُن میں سے ہر ایک کا دل اُس صدا سے معمور ہے! نوجوان طبقہ اگر دربار کی عظمت، اسلحۂ جنگ کی آب و تاب اور دوشیزگانِ حرم کی نیم نگاہیوں سے سرشار و مسحور ہے تو سن رسیدہ جماعت اطمینان و صداقت کے جذبات سے لبریز ہو کر زمانہ موعودہ کے تصور میں غرق نظر آتی ہے اور صنفِ نازک پیغمبر خراسان کی تجلی بار پیشانی پر ایک نظر ڈال لینے کے لئے اپنے حسن و جمال کی قربانی پر تیار۔

لیکن اس عالمِ اعتقاد و یقین، اور دُنیائے اُمید و توقعات میں ریشمیں پردوں کے اندر منتخب اور برگزیدہ نازنینانِ حرم کے ہجوم میں ایک دوشیزہ ایسی بھی تھی جس کی رُوح اس نمائش کے کذب سے پامال ہوئی جا رہی تھی اور اس کے جھوٹ اور فریب سے لپٹی جا رہی تھی! اور جس وقت عظیم تختِ پیغمبری کے بوسے کے لئے جھک رہا تھا۔ اس لڑکی کی نظر عظیم پر پڑی اور ایک ضبط

نہ ہو سکنے والی چیخ اُس کے مُنہ سے نکل گئی۔ حوران ارض کی جماعت نے اس کے ملال و غمگینی پر حیرت ظاہر کی، تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھا مگر وہ کیا جانتی تھیں، کہ زلیخاؔ اس نوجوان کو پہچانتی ہے اور اسے دیکھ کر وہ خدا جانے کس عالم میں پہنچ گئی ہے ؟

(۲)

آہ زلیخا! ایک وقت وہ تھا کہ عظیمؔ کی سرنگاہ تیرے نازک دِل پر مسرت کا ایک نشان چھوڑ جاتی تھی، اور تیرا شوق سے بھرا دِل۔ ان دعاؤں سے لبریز ہوتا تھا کہ اُس کی ایک نگاہ غلط اندازہی تجھ پر پڑ جائے اس کے لبوں سے نکلی ہوئی کوئی آواز ہی تجھ تک پہنچ جائے۔ اور تو ایک ہی لمحے کے لئے اس فضا میں اپنی زندگی بسر کر سکے، جہاں وہ سانس لے رہا ہو۔ ایک وقت وہ تھا کہ اُس کی ہنسی تیری نظروں کے لئے ایک طلسم دل کشی تھی اس کی ہر حرکت میں تجھے ایک غیر معمولی جلوہ نظر آیا کرتا تھا۔

آہ، کیا ہی آسودہ تھا وہ وقت کہ تیرے ہار کا کوئی پھول تیرے زیور کا کوئی نگین، اگر اُس نے چھولیا ہے تو اس گھڑی سے وہ پھول وہ نگین، تیرے لئے ایک مقدس چیز بن جاتا تھا۔

اُف، وہ بھی کیا ساعتیں تھیں، جب کہ تو اس کی ہستی کے تمام جزئیات کا مطالعہ کرنے میں محو ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ اس کا لہجہ، اس کی نگاہیں اس کی تمام حرکات تجھ میں منتقل ہو جاتی تھیں؛ تو اس کی آواز میں بات کرتی تھی۔ تو اس کے لبوں سے ہنستی تھی اور اس کے چہرے کا

ہر انداز تیرے چہرے میں منعکس ہو کر نمودار ہوا کرتا تھا! وہ قید سے واپس آ کر اپنے ساتھ زیادہ دل کشیاں لایا ہے لیکن افسوس وہ دلکشیاں تیرا حصہ نہیں! بلکہ اُس کی مراجعت تیرے لئے خوف کی مترادف ہے گویا وہ کسی دوسرے ہی عالم سے آیا اور اس لئے آیا ہے کہ تیری جرم محبت کی خطاکار روح کو گم گشتہ آسودگی پر سر دھننے کے لئے آزاد چھوڑ دے!

زلیخا نے شباب کو عالم شباب ہی میں رخصت کر دیا تھا! مگر اُس کے شباب رفتہ کا وہ فسانہ اب پھر اُسے عالم شباب ہی میں سنایا جا رہا ہے وہ عالم شباب جو ہنوز انہیں معصومانہ حیات و جذبات سے معمور ہے! بہار ہستی کی داستان یاس پھر اس کے سامنے دہرائی جا رہی ہے جس میں اب اس کے لئے حسرت و الم کے سوا کچھ نہیں رہ گیا ہے اور شاہراہ شباب پر جو کبھی منور رہ چکی ہے۔ اُس کے پھر لوٹ آنے کی تمنا کی جاتی ہے، درانحالیکہ آرزوؤں اور تمناؤں کے وہ نشانات قدم، جن کا سراغ اب اُسے بتایا جا رہا ہے عرصہ ہوا کہ فراموش ہو چکے ہیں۔

سرزمین بخارا کے باغوں کے کنج اور تاکستان شاہد ہیں کہ کبھی نشۂ خرمی سے سرشار ہونے والی دو ہستیوں کے نشانات قدم سے اُن کا چپہ چپہ آباد تھا! اُس کے فردوس زا چشموں کے کنارے امتزاج حسن و محبت کے نغموں سے سرشار تھے! آفتاب صبح کی روشنی میں تبسم کرنے والی امواج رودبار اور پھولوں کی جھکی ہوئی ڈالیاں اپنی اچھوتی خوشبوؤں اور رنگینیوں میں اُس فسانے کی تکرار کیا کرتی تھیں جسے ان دونوں کے شباب نے اس

سرزمین پر شروع کیا تھا۔ مگر لڑائی چھڑ جانے نے اس حیاتِ معاشقہ کا خاتمہ کر دیا تھا! فرزندانِ فارس مادرِ وطن کی آواز پر فوجوں میں شریک ہو گئے تھے اور عظیم نے بھی اپنی محبت کی موسیقیوں کو میدانِ جنگ کی پر ہلاکت آوازوں سے بدل کر زلیخا کی شیریں نگاہوں کے بدلے جنگ کی آتش فشانی، اور محبت کی دل پسند زنجیروں کے بدلے امواجِ خون کی رنگین زنجیروں کو اختیار کر لیا اور زلیخا کی مشتاق آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تھا!

روح کی اس بیوگی کے عالم میں زلیخا پر مہینوں پر مہینے گزرتے گئے۔ اُس نے اسی پژمردگی و افسردگی کی حالت میں موسم گرما کے آفتاب کو دو بار چکر لگاتے دیکھا۔ مگر عظیم واپس نہ آیا۔ اور زلیخا کا دِل بدستور یخ بستہ رہا۔ سچ ہے جب ضیائے خندہ سے روح کو شگفتہ کرنے والی وہ آنکھیں جن کا تارِ نظر ایک ہی ہوتا ہے، سامنے نہیں ہوتیں تو گرمی کا آفتاب بھی سرد نظر آنے لگتا ہے!

کچھ دنوں تک میدانِ جنگ سے وقتاً فوقتاً مختلف اور منحوس افواہیں آتی رہیں، لیکن اس آواز میں کہ "عظیم مارا گیا" تیر و نشتر کی وہ روانی ہوتی جو زلیخا کی سماعت کو ہر بار مجروح کر جاتی تھی! حقیقت یہ ہے کہ دُنیا بھر کی تمام مصیبتوں سے زیادہ وہ مصیبت ہے جب تقدیر ایک نوجوان دِل کو پہلی بار تنہا اور ویران چھوڑ جائے۔ اور اُس تعلق سے محروم کر دے جس کی وجہ سے وہ زندگی سے محبت کرنے لگتا ہے، اور

موت سے خوف! ایسے دِل کی ویرانی اُس از یادِ رفتہ رباب کی سی ویرانی ہے، جو اپنے تاروں کے ٹوٹ جانے کے بعد ایک کونے میں ڈال دیا گیا ہو۔ اور اس کے نغمے اسی کے اندر ہمیشہ کے لئے دفن کر دیئے گئے ہوں!

زلیخا، اس محزون و دِل گرفتہ زلیخا کا یہ غم ایسا تھا جس کے لئے عقل و تدبیر کی کارفرمائیاں بھی بیکار ثابت ہوتی ہیں! اگرچہ وہ یکسر پامال غم ہونے کے بعد بھی عمر کے ولولہ خیز تقاضوں سے اُس غم کو مغلوب کر کے اپنی صحت و شگفتگی واپس لے آئی تھی۔ مگر اُس کے نازک حسیات اب تک مجروح اور سوگوار تھے! ہر چند اُس کے قلب میں اب بھی وہی حرکت، وہی حرارت، اور وہی لطافت موجود تھی جو اس سے قبل کبھی پائی جاتی تھی، مگر اب اس کی تمام کیفیتوں پر گمشدگی کی سی حالت طاری رہتی تھی، وہ متبسم بھی ہوتی تھی، ہنستی بھی تھی مگر اس کا تبسم ضیاء سے خالی ہوتا تھا اور اس کی ہنسی میں کوئی روشنی نہ ہوتی تھی! جب کبھی وہ اپنا بربط اٹھالیتی اور گانے کی کوشش کرتی تو اس کی مثال اُس بلبل کی سی ہوتی جس کی موسیقی میں مسرت برائے نام اور غم بہت زیادہ ہو۔

ابن مقنع کے مبلغین تمام اطرافِ ممالک میں اس غرض سے روانہ کئے گئے تھے کہ وہ اپنے پیغمبر کی موعودہ جنات نعیم کے لئے حسین آنکھوں اور عقیق سے ہونٹوں والی خوبصورت دوشیزہ لڑکیاں فراہم کرتے رہیں

چنانچہ جب یہ واعظ زلیخا کے ملک میں پہنچے تو اس کے غمزدہ دل میں بھی شوق کی ایک آگ بھڑک گئی اور انتہائے شوق و سرگرمی نے اس پر پورا تسلط پالیا! وہ جنات نعیم کے لئے مقبول کی جائے گی۔ بہشت کے لازوال قصروں میں قضا و قدر کے منشار سے کسی برگزیدہ نوجوان کی عروس تجویز کی جائے گی!" یہ وعدہ اس کے لئے یقین دلانے والا تھا کہ وہ عالم ارواح میں عظیم سے جا ملے گی، وہ عظیم جس کے متعلق وہ سمجھتی تھی کہ جنگ میں مارا گیا، اور اب اس کی رُوح جنت کے کسی باغ میں صرف اس کا انتظار کر رہی ہے۔

مگر افسوس تجھ پر اے زلیخا! تجھے خبر نہیں کہ نازنینان حرم جو باغ ہائے ارم کی آبادی کے لئے لائی جاتی ہیں پہلے مقنع کی سیہ کارانہ خواہشوں کی قربان گاہ پر چڑھائی جاتی ہیں اور وہ تجھے بھی اپنی خواہشوں کی نجاستوں کا شکار بنائے گا! مگر نہیں، امتیاز سلیم کی روشنی بالکل افسردہ ہو کر تجھے ظلمتوں میں نہیں چھوڑ سکتی، تیرے پاس ایک حرزِ جان موجود ہے جو تیرے قلب صافی پر نقش ہو چکا ہے۔ وہ تجھے اس معصیت سے محفوظ رکھے گا، تیری عصمت کو بدستور محفوظ رکھے گا، حسین کی بربادی محبت کا فنا ہو جانا ہے! لیکن نازک زلیخا کے مزاج میں ایک اشتعال پیدا کیا گیا، اس کے جذبات میں اضطراب نمودار ہوا کیونکہ مقنع کے مکار مبلغوں نے اس کو یہ سنا سنا کر کہ وہ پیغمبر کی نہایت برگزیدہ، اور مخصوص منظور نظر بنائی جائے گی، اس میں ایک خاص

قسم کی کیفیت پیدا کردی تھی۔ زلیخا کے دل و دماغ کے سامنے لذت و الم کے مختلف پہلو یکے بعد دیگرے پیش کیے گئے کہ غمگینیٔ دوام کا نتیجہ جنون ہے جس کی آگ امید سوز ہوتی ہے اور مایوس انسان اپنے مدعائے دل سے دوسری دنیا میں بھی محروم رہے گا لیکن وہ اعتقاد جو نقاب پوش پیغمبر نے عالم کے سامنے پیش کیا ہے ایک دعوتِ مسرت ہے! اور رحمت کی امید لے کر جانے والا انسان بہشت میں اپنے مدعائے دلی سے شاد کام کیا جائے گا!"

زلیخا کے لیے یہ بیانات ایک محفل عشرت کے حامل تھے، جہاں اُسے معلوم ہوتا تھا کہ ہر طرف موسیقی و شعر سانس لے رہے ہیں، اور جہاں کی ہر شے اُسے پاک و مقدس نظر آتی تھی۔ وہ اپنی ان شیریں آرزوؤں اور تمناؤں سے شاد کام تھی کہ عظیم کے پہلو میں اُس کی عروس بن کر وہ عالمِ نکہت و تعطر میں مصروفِ گلگشت ہوا کرے گی!

زلیخا نے جنت ارضی (حرم مقنع) میں داخل ہو کر عشرت کی فراوانیاں دیکھیں، اور وہ سب کچھ دیکھا جس کا اُس سے وعدہ کیا گیا تھا لیکن اس مقام عشرت کی حقیقت کا علم اُسے اُس وقت ہوا جب اس سے رازداری کا عہد و پیمان لیا گیا۔ اور اس سلسلے میں وہ ایک جام ارغوانی کے پینے پر مجبور کی گئی۔ اس سے قبل یہ زہر کا گھونٹ ہمارا دانشمند کے حلق سے اتر چکا تھا، اور جس کی تلخ لذت زلیخا کے کام و دہن سے کبھی زائل نہ ہو گی۔ مقنع نے زلیخا کو اپنے عہد و پیمان کی تاریک بندشوں میں منقید کر لیا، اُس سے

یہ عہد لے لیا کہ زلیخا اس وقت تک، جب تک کہ مقنع کی پر اسرار ہستی منغۂ دنیا پر موجود ہے جس وقت تک نیلی حصیت ان دونوں کے سروں پر قائم ہے، اپنی قسم کے مطابق (جس میں زمانہ بھر کی ملامتوں کی خوفناک تشکلیں پیدا کر دی گئی تھیں) رنج و الم، مسرت و انبساط غرض کسی حالت میں مقنع کے پہلو سے جدا نہ ہوگی! چنانچہ اس منحوس گھڑی کے بعد سے زلیخا تمام تر مقنع اور اس کے مذہب کی ملکیت ہو گئی۔ اور اب وہ اپنے تئیں ایک برباد شدہ لڑکی سمجھتی تھی! البتہ اس کا دل و دماغ کبھی کبھی گرم ہو جاتا تھا جس وقت حرم کی پری جمال لڑکیاں اُسی خاتونِ رسالت کہہ کر خطاب کرتی تھیں۔ اس کی حسین و خوبصورت آنکھوں سے نور کی جھلک نمودار ہو جاتی تھی! جب حورانِ حرم اس کے سامنے سجدۂ عبودیت میں گر جاتی تھیں، اس کے نرم و نازک اعضا میں جنبش پیدا ہو جاتی اس وقت یہ معلوم ہوتا کہ شاخ گل سے کوئی بلبل اُڑ کر چلی گئی ہے! وہ جب مسکراتی، تو اس کے پنکھڑی سے لبوں کا خم، دلوں کے لئے ایک نوید سرور بن جاتا! وہ بعض اوقات عالت انفعال میں بھی نظر آتی، مگر اس بشت کی تالبش کا تخیل جس پر زلیخا کو کوئی قابو نہ تھا، پھر اس کو مغلوب کر لیتا اور اس کے خرمن دل پر، جو یقیناً خاکستر ہو چکا تھا۔ پھر بجلی سی کوند جاتی۔

یہ تھا زلیخا کا حال اور کس قدر متبائن تھا اس کے ماضی سے، جب کہ ندہی سال قبل بادام کے درختوں کے جھنڈ میں زندگی کی تمام مسرتوں

کے ساتھ وہ عظیم کے پہلو بہ پہلو بکھرا کرتی تھی! لیکن آج جب اُس نے دیکھا کہ وہی عظیم جس کو وہ مُردہ سمجھ کر اپنے سارے اشکِ حیات ختم کر چکی تھی، زندہ اور متحرک، اس کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے تو اُس پر ردِّ عمل کی کیفیت طاری ہو گئی، اور وہ تھوڑی دیر کے لئے ہوش و حواس سے بیگانہ نظر آئی!

(۳۱)

یاس اور سرگشتگی کے عالم میں جب ذہن ماؤف ہو جاتا اور اس کی طاقت عمل میں آثار حیات باقی نہیں رہتے تو ناگہاں عقل و تدبر کا ٹوٹا ہوا سلسلہ پھر قائم ہو جاتا ہے! جس وقت دماغ مایوسی کی تاریکیوں کا مسکن ہو جاتا ہے تو آفتاب عقل کی شعاعیں یکبارگی داخل ہو کر اُسے منور کر دیتی ہیں! محاصر افواج جب خستہ و مضمحل ہو جاتیں اور کوئی صورت کامیابی کی باقی نہیں رہ جاتی ہے تو قلعہ کے اندر ہی سے ایک غیر متوقع صورت امداد کی پیدا ہو جاتی اور دماغ میں ایک صحیح و سحر کارانہ خیال پیدا ہو کر قلعہ کا دروازہ محاصرین کے لئے کھول دیتا ہے! پھر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کیونکر ہوتا ہے اور کون کرتا ہے؛ کاش یہی صورت اے محزون دوشیزہ تیرے لئے بھی پیدا ہو جاتی! ہر چند تیرے لئے ایک شعاعِ نور نمودار ہو رہی ہے، مگر اس میں رہنمائی کی استعداد نہیں وہ مضطر و بے تاب موجوں پر چمکتی تو ہے مگر ساحلِ عافیت کو پیش نظر نہیں کر سکتی!

خوشی و مسرت کی وہ ساعتیں جن کو کم ہوئے ایک مدت گزر گئی تھی۔ وجودِ محبوب کے نظارے کے ساتھ ہی بے تابانہ صورت سے زلیخا کے دل و دماغ میں پھر داخل ہوتی ہیں، لیکن افسوس! یہ فوری خیال کہ اُس کی رُوح ذلت و ضلالت میں جا پڑی ہے۔ اور وہ خبیثانہ افعال کی رازداری کا عہد کر چکی ہے، زلیخا میں دیوانگی کی سی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ وہ ایک روحانی لرزش کے ساتھ زنجیروں کی بندشوں کا احساس کرتی ہے اور اس پر نزع کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، مگر با ایں ہمہ اُمید کی جھلک بھی کبھی کبھی نمودار ہو جاتی ہے اور گرم آنسوؤں کا ایک سیل جو اس کے دل پر عرصہ ہوا برف کی طرح جم کر رہ گیا تھا، چشموں کی طرح جاری ہو جاتا ہے!

زلیخا کی طلبی کا پیغام آتا ہے کہ مقنع کے حجرۂ عبادت میں حاضر ہو۔ یہ وہ غرور آفریں پیغام طلب ہے جس کے سننے کے لئے حریم حسن کی ہر خاتون (سوائے زلیخا کے) سراپا شوق و انتظار بنی رہتی ہے مگر غمگین اور مغموم زلیخا سہم کر رہ جاتی ہے مقنع کی عبادت گاہ چھوٹے سے پر فضا چمن میں، کنارِ آب واقع ہے، جہاں وہ شام کے بعد داخل ہوا کرتا ہے۔ اس خلوت کدے میں کبھی کبھی کسی دوشیزہ کو جانے کا فخر نصیب ہو جاتا ہے۔ کچھ عرصہ سے زلیخا کے علاوہ کسی نازنین حرم کو یہ فخر حاصل نہ ہوا تھا اُس اولین شب عید کے بعد جب اس مکان میں وہ نامقدس الفاظ حلف گونجے تھے، جن کے زیر اثر زلیخا قطعاً اور ابداً مقنع کے حکم اور اشارے کی کنیز بن چکی تھی، خادع اور مکار پیغمبر ایک سے زیادہ مرتبہ اپنی روح کو

بے نقاب کر چکا اور ایسے ناپاک اور وحشیانہ کلمات اس کی زبان سے نکل چکے تھے، جن سے زلیخا کو نہایت خوفناک اندیشے پیدا ہو گئے تھے تاہم شوق و تمنا کے جوش اور عظیم کی روشن پیشانی کے تصور نے (جس کی رفق زلیخا کے خیال میں ہنوز مرتسم تھی) اس کو بالکل مایوس نہ ہونے دیا تھا۔ اور وہ سمجھتی تھی کہ جب اُس کی روح ان مصائب سے گزر کر اور زیادہ صاف و پاکیزہ ہو جائے گی تو عظیم اُس کو مِل جائے گا۔ اور اُس کے پُر محبت آغوش میں پہنچ کر ان تکالیف کی تلافی ہو سکے گی۔ مضمحل و ملول زلیخا شام کے جھٹپٹے میں مقنع کے محل عبودیت کی طرف جارہی ہے۔ مقنع اپنے شیطانی عزائم میں اس درجہ محو ہے کہ وہ اپنے صید زبوں کی غمگین حالت بھی معلوم نہ کر سکا۔ وہ مطلق نہیں سمجھ سکا کہ زلیخا جو اس سے قبل اک پری کی طرح اڑتی ہوئی داخل ہوا کرتی تھی، کیوں سوگوارانہ چل رہی ہے اور اب اُس کی نگاہ میں وہ بات کیوں نہیں ہے جو اپنے چاروں طرف کی فضا کو ملتہب و تپان بنا دیا کرتی تھی؟

مقنع ایک تخت پر نقاب ڈالے ہوئے لیٹا ہے، فانوس روشن ہیں اور اُن کی روشنی میں ایک خاص نرمی پائی جاتی ہے۔ اس کے قریب ایک کتاب اور تسبیح رکھی ہوئی ہے اور پاس ہی چند صراحیاں اور پیالے نظر آتے ہیں، جو طلائی رنگ کی شراب انگور، شیراز کی آتش سیال سے لبریز ہیں، اور جس میں سے اُس کے مستور ہونٹ وقتاً فوقتاً جرعہ کشی کر رہے ہیں۔

جرعہ کشی اور اپنے خیال میں وہ اس قدر منہمک ہے کہ زلیخا کے قریب پہنچ جانے پر بھی اُس کو خبر نہیں ہوتی، اور وہ اپنے تسلسل خیال میں ایک مکروہ ہنسی کے ساتھ خود بخود کہنے لگتا ہے۔

"ذلیل انسان! تیرا بہترین مصرف دوزخ کی آگ کو روشن رکھنا ہے! تو اس درجہ ذلیل ہے کہ دُنیا میں تجھے دخل نہ ہونا چاہئے تھا اور اُس پر تو طلبگار نعیم ہے، تو خدا کے مجسمے بناتا اور اُن کو خدا سمجھتا ہے اور ان کی پوجا کرتا ہے! اے ضعیف مخلوق، جس کا مدار حیات ایک کمزور سانس پر ہے۔ اے مٹی کے کھلونے، جس کو شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، عنقریب میرا قدم تیری دغاباز نسل کی گردنوں پر ہوگا، اور میں شدت نفرت و کثرت غضب کے ساتھ اپنی ذلت کا انتقام لوں گا! وہ ذلت جس کو میں مدت سے برداشت کر رہا ہوں! وہ نفرت جس کی میں عرصہ سے پرورش کر رہا ہوں! ہاں میں ذلیل ہوں کہ انسان کہلاتا ہوں اور وقت آگیا ہے کہ میں ذلیل و کمزور انسان ہی کو اپنا آلہ کار بنا کر اس ملعون نسل سے اپنا انتقام لوں!

"وہ گمراہ انسان جو اپنے تئیں حکیم و فیلسوف کہلاتا ہے ایک ویران راستہ کی تلاش میں ہے اور اُس چور کی طرح

جو مُردوں کی ہڈیوں کی چمک کو اپنا بہترین راہنما سمجھتا ہے یہ توہم پرست گروہ بھی مستقبل کی دھندلی روشنی میں دولت و عزت ڈھونڈتا ہے! سنجیدہ بے وقوفو! میں جانتا ہوں کہ تمہاری عقل و حکمت قطعاً بے کار ہے۔ میری تاب ضبط کے لئے ہنسی کا روکنا دشوار ہوگا جب مظفرانہ طبل کی آوازوں میں میں اُن غلامان عاقل کے خطبات و مواعظ کی تغلیط کروں گا ان عقلاء و حکماء کے اختیارات و حکمت کو خرید لوں گا! اُن کی دانائی و فراست سمٹ کر ایک باریک نقطہ بن جائے گی جس کو میں اپنی خنجر کی نوک سے ڈھک لوں گا۔

نامعتبر اور مصنوعی مذاہب پر ایمان لے آنے والو! اپنے اوہام پر آنکھیں بند کر کے اعتقاد لے آنے والو! اپنی ارادت مندیوں کی بیہودگیوں سے آسمانوں کو چھپا دینے والو! تمہارے لئے ویسے ہی معجزات بھی مہیا کئے جائیں گے جو دیکھے جا سکیں گے! سنے جا سکیں گے اور آزمائے جا سکیں گے تمہارے مبلغین، جن کے جوش عقیدت کی شدت کا یہ حال ہے کہ جس چیز کا وہ وعظ کرتے ہیں اس کی حقیقت سے بمقدار یک ذرہ بھی آگاہ نہیں، تمہارے غازی جو اُس صداقت کو جس پر وہ اپنے خون کا آخری قطرہ نثار کر دینے

کے لئے آمادہ و تیار ہیں، اپنی فہم سے بہت بلند و بالا
خیال کرتے ہیں اور تمہارے امام و معمار جو سواحل آدا،
کے اُن پیشوایانِ مذہب کی مانند ہیں جو سنگ رخام کو
اس لئے فروخت کرتے ہیں کہ اُن سے بُت تیار کئے جائیں
ہاں، ان سب کے سامنے سربسر راز پیش کئے جائیں گے
ان کے روبرو مکر و فریب کے مقدس پتھر ڈال دیئے جائیں گے
تاکہ یہ غلامانِ دنیا اُن سے اپنا سر پھوڑا کریں، ہاں، تمہارے
لئے، اے مٹی کے سرداد و، خلد بریں بھی مہیا کی جائے گی!
اے ارواح سادہ! تمہارے لئے ایک شاندار بہشت تیار
کی جائے گی! کیونکہ ایک پیغمبر، اپنی دعوت صداقت کو زندہ
نہیں رکھ سکتا جب تک وہ کوئی ایسا وعدہ نہ کرے جو
ہر مذاق و ہر طبیعت کے لئے موزوں و مناسب ہو! وہاں
نوجوانوں کے لئے حوروں کا ہجوم اور سب لوگوں کے لئے
عشرت و نشاط کی کثرت بھی ضروری ہے! اے ہرزہ کار بستیو
تم نہیں سمجھتے کہ ہر شخص کی جنت و دوزخ خود اُس کے
داعیات کے مطابق ہوتی ہے!"

"آہ میری روح برباد!" لرزہ براندام زلیخا کے مُنہ سے مضطربانہ
ایک چیخ نکل جاتی ہے۔

مقنع گھبرا جاتا ہے، ہر چند کہ اُس کے لئے خوف و خطر و جنبع ہی نہ ہوئے

بھتے۔ تاہم اُس کے لئے یہ غمناک الفاظ، ایک ایسی آواز کا نکلنا اُس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ دغا باز مقنع اپنی برجستہ مکاری کو کام میں لاکر اُس سے کہتا ہے:۔

"آہا، میری محبوب جمیلہ، تو ہے؟ جس کے تبسم کی گلابی شعاعیں تیرے پیغمبر کے خوابوں کی رسائی سے باہر ہیں اے ماہتاب ملت، اے تو وہ، جو جوشِ مذہبی میں محبت کی سرگرمیوں کو شامل کر دیتی ہے، اور لوگ تمیز نہیں کر سکتے کہ وہ ان دونوں جذبوں میں سے کس کے زیر اثر ہیں اور نہیں سمجھ سکتے کہ ان دونوں میں سے کس کی آرزو کریں۔ آیا اُن جنتوں کی جن کا وعدہ اُن سے کیا گیا ہے۔ یا تیری، جو خود ایک مستقل فردوس ہے! اگر تو نہ ہوتی تو میں کیا تھا؟ تیرے بغیر میری طاقتِ عظمت پر اُداسی چھائی ہوتی اور میری فتوحات میں کوئی خوشی نہ ہوتی۔ میرے جھنڈوں کے حامل اگر فرشتے بھی ہوتے تو ان پر تیرا تبسم ضیا پاش نہ ہوتا تو ان میں یہ سماویت کبھی پیدا نہ ہو سکتی۔ لیکن یہ غمگینی کیوں ہے؟ تیری آنکھیں جن سے گذشتہ شب تک زندگی برستی نظر آتی تھی اس وقت ان کی رعنائی کیا ہوئی؟ میں جانتا ہوں کہ آج دن کی تکان نے انہیں مضمحل کر دیا ہے اور انہیں پھر روشن کئے جانے کی ضرورت ہے۔ جو چیز

میں تجھے دیتا ہوں، آفتاب کے پاس بھی نہیں ہے
شہابِ ثاقب بھی چشمۂ نور سے یہ رونق نہیں لا سکتا،
اس پیالے میں یہ خیال نہ کر کہ مائیات عالم میں
سے کوئی شے ہے، نہیں بلکہ یہ نہر سلسبیل کا (جس کی
تہہ عقیق و زبرجد کی ہے) زلال ہے! ہر شب
میرے موکل ان برتنوں کو اس مقدس پانی سے
بھر جایا کرتے ہیں! آج تو بھی اس شراب مطہّر سے
کامران ہوگی! لے، پی جا، اس کے ہر قطرہ میں ایک
تازہ روح پنہاں ہے، جو تجھے سراپا شعلہ اور تیری
آنکھوں کو یکسر نور بنا دے گی! اس کو پی، کیونکہ آج
میں تیرے تبسّم کی نشہ بخشیوں کا امتحان لینا چاہتا
ہوں تو جانتی ہے کہ آج ایک نوجوان آیا ہے۔ کیوں؟
تو گھبرا کیوں گئی؟ ہاں معلوم ہوتا ہے تو نے بھی اس کو
دیکھ لیا ہے۔ تو نے دیکھا وہ کس قدر عالیشان معلوم
ہوتا ہے! یہ جوان آسمانی جنتوں میں تیرے لئے
مقدر ہو چکا ہے، ہر چند میں اندازہ کر سکتا ہوں کہ
اس کے خیالات محبت کی طرف سے نہایت
خشک و درشت ہیں۔ مگر اس پر تجھے فتح حاصل
کرنا ناگزیر ہے۔

اے حسینہ! احتراز نہ کر، تو آسمان کے سربستہ
رازوں کو نہیں سمجھ سکتی۔ فولاد کے لئے اس سے قبل
کہ وہ اسلحہ کی تیاری کے واسطے کار آمد ثابت ہو کر
کسی بہادر کی زیبائش دوش و کمر ہو سکے، آگ میں
تپایا جانا ناگزیر ہے! آج کی شب، میں حسن وجمال
کی سحر کاریوں کا تجربہ اس نوجوان پر کرنا چاہتا ہوں،
میرے حریم مقدس کا مایۂ ناز نمونہ ذہانت وشباب
پیکر فرزانگی وحسن جس کی نفاست عدیم المثال
اور مسلم ہے، اس نوجوان کو رام کرے گا!
"نشہ شباب سے مست رہنے والی آنکھیں، جن پر
خمار آلود پپوٹے اس طرح جھکے رہتے ہیں جیسے
بنفشے کے پھولوں پر برف کی ہلکی چادر، تابناک
رخسارے جن کی حرارت ایسی محسوس ہوتی ہے جیسے
بہار میں صبح نکلنے والے آفتاب کی گرمی، لبہائے نازک
جو اپنے مس میں وہی کیفیت رکھتے ہیں جو مہر سلیمان میں
پائی جاتی تھی۔ وہ خرام ناز جس سے موسیقی کے
بہترین نغمات سیکھے جاتے ہیں، اور تمام وہ لطافتیں
اور دلربائیاں جو کسی بہشت میں پائی جا سکتی ہیں،
میرے نئے معتقد کے لئے درکار ہیں، تاکہ اس کے

قلب کو نرم کر کے مذہب کی مہر کو زیادہ آسانی و استحکام کے ساتھ ثبت کر سکیں! پھر اے زلیخا، سُن! اگرچہ میرے حرم کی ہر دوشیزہ اپنے اندر کوئی نہ کوئی مخصوص انداز دلربایانہ رکھتی ہے۔ اُن کی ہر ہر ادائے نگاہ آئینے کے مقابل آزمائی گئی ہے، لیکن میں ایک ایسی نازپرور اور غمزہ طراز حسینہ چاہتا ہوں، جس کی ہر ادا سحر پرور اور جس کا ہر عشوہ ایک مستقل افسوں ہو۔ ایک ایسی دوشیزہ چاہتا ہوں، جس کی تمام ادائیں اور جس کی تمام دلربائیاں ایک مرکز سے ہو کر گزریں، اور اس جوان کے دل کو مسحور کر لیں۔ ہاں! آج مجھے ایک ایسی ہی پری جمال اور فتنہ پرداز نازنین کی ضرورت ہے اور ایسی ہستی، زلیخا تو اور صرف تو ہو سکتی ہے!"

زلیخا کی کافوری اُنگلیاں آپس میں پیوست ہو جانا چاہتی ہیں، اس کے ہونٹوں کی سُرخی زردی میں بدل جاتی ہے، وہ ششدر سراسیمہ کھڑی نقاب پوش مقنع کو دیکھ رہی ہے۔ لیکن مقنع نے جو کچھ کہا تھا۔ وہ اس اعتماد کے ساتھ کہ گویا زلیخا کے اس غنچۂ معصوم کو اس نے دیکھا ہی نہیں!

جس وقت سے مقنع نے اپنی تقریر شروع کی تھی۔ زلیخا کی حالت بدلتی جا رہی تھی، اور مقنع اس تغیر کو محسوس کرنے کے بعد بھی

تجاہل سے کام لے رہا تھا! لیکن جب اس نے یہ کہا کہ "تو اور صرف تو ہو سکتی ہے"! تو زلیخا بے اختیار ہو کر چیخ اٹھی :-

"یہ کبھی نہ ہو سکے گا! خدایا کیا میری تقدیر یہ ہے ؟ کیا میری تمام آرزوئیں، آسمانی برکتوں کے تمام خواب، میری عفت کیشیاں اور میرا افتخار، یہ سب اس لئے تھیں کہ میں ایک شیطانِ مجسم کا آلۂ کار بنوں ؟ اُس کی معصیت کاری کا حیلہ بنوں ؟ کیا میرا مقصد یہ ہے کہ میں نہ صرف خود بلکہ دوسروں کو بھی قعرِ مذلت میں جہنم آسا طوفانِ آتشیں میں غرق کروں ؟ اور دوسرا بھی کون وہ جو آج ہی آیا ہے ! آہ ! کیا میں اُس کے عشق میں فنا نہیں ہو چکی ہوں ؟

مقنع :- خبردار! اے ہذیانِ مجسم، ہوش میں آ! وقت سے پہلے ہوشیار ہو جا! ایسی بات مُنہ سے نہ نکال جس کا سُننا میں تیرے مُنہ سے کبھی بھی گوارا نہیں کر سکتا۔ جا اپنے رباب، اپنے لحنِ دلنواز کا جادو اس جوان پر آزما۔ میں تیرے اس شعلۂ غیظ کو بھی پیار کرتا ہوں جس نے تیری آنکھوں کو اور زیادہ تابناک بنا دیا ہے اگر یہ نوجوان تیرے محبوب سے (جو مر چکا ہے) مشابہ ہے تو یہ بات تیری کامیابی میں اور زیادہ معاون ہوگی! غصے کو دُور کر، تیری آنکھیں محبت کا مسکن ہیں۔ غصے کا نہیں! میرا حکم مانا جائے گا!"

زلیخا :- حکم مانا جائے گا ؟ ہرگز نہیں! بیشک میں ہر لعنت کی مستحق ہوں

لیکن عظیم، شجاع و وفادار، حسین و جمیل عظیم! کیا اُسے بھی برباد ہو جانا چاہیئے؟ کیا اُسے بھی گمراہ و بے دین بنایا جائے؟ نہیں، میں اُسے تباہی کی طرف کبھی دعوت نہیں دوں گی وہ پیکرِ صداقت ہے، تمثالِ پاکیزگی ہے۔ اُسے کبھی برباد نہ ہونے دوں گی! اے شیطان رجیم، تیری ساحرانہ مکاریوں کا جہنمی پیالہ اُسے راغب نہیں کر سکتا! تیری نجس جنت کی رہنے والیاں، اپنی عشوہ فروشیوں سے اُس کے دل کو نہیں لبھا سکتیں! کیونکہ اُس کا دل عشق کے مقدس جذبے سے معمور ہے، اور وہ اس بے حیائی و بے غیرتی کے حملے کی کامیاب مدافعت کر سکتا ہے گو میں تیری کارگاہِ مکر و فریب میں مبتلا ہوں، مگر اب بھی اس کے دل کی ملکہ ہوں، اور اُسی طرح پاک و بے عیب حکمرانی کرتی رہونگی جس طرح محبت کے اولین موسم بہاراں میں کرتی تھی! اور ہر چند میں خود تباہ و برباد ہوں، لیکن میں اُس کے لئے محافظ فرشتہ ہوں! اے کاش اُسے علم نہ ہو کہ جس پیشانی کا اُس نے الوداعی بوسہ لیا تھا۔ آج کس درجہ پست و ذلیل ہے! وہ کبھی نہ جانے کہ وہ ہستی جس کے ساتھ وہ کبھی محبت کرتا تھا کس قدر مکروہ و مبتذل ہے، موذی، تو ہنستا ہے تو مجھے اس کے سامنے رسوا کرے گا۔ میرے نام پر داغ لگانا

چاہتا ہے ؟ یہ بھی کر دیکھ ! وہ کسی ایسی بات کو جس سے
اس کی زلیخا کی توہین و تذلیل ہو۔ قیامت تک باور نہ کریگا
میری پاکیزگی اُس کے دل میں منقوش ہے اور وہ سمجھتا ہے
کہ خدا کی اس سقف نیلی کے سائے میں مجھے کوئی شے تبدیل
نہیں کر سکتی ! آہ ، میں بھی اپنی نسبت کبھی ایسا ہی یقین رکھتی
تھی مگر اب وہ یقین محض ایک خواب ہے ! میری زندگی
کیسی ہی خراب کیوں نہ ہو جائے، لیکن مجھے یہ بھی گوارا ہے
اگر وہ اس کو نہ جانے ! میں دنیا کے کسی ایسے گمنام گوشے
میں جا چھپوں گی ، جہاں میری زندگی میں آفتاب کی روشنی
بھی مجھے نہ دیکھ سکے گی ، جہاں مجھ سے کوئی سوال کرنیوالا
نہ ہوگا ، اور جہاں میں اپنی گمنام اور افسردہ ہستی کو فنا کردونگی
اور تو اے ملعونِ رجیم ! جس نے اپنی خباثتوں کی تباہ کن
اور ناپاک آگ سے میری رُوح و جسم کو جلا دیا ہے۔ اور
مجھے مردود و ملعون بنا کر میری زندگی کو عذابِ دوام میں
تبدیل کر دیا ہے اور اب اپنی ابلیسانہ حکومتوں سے اُسے
اور وسعت دینا چاہتا ہے جب میں اس ناپاک فضا سے دفع
ہو جاؤں تو . . . .

مقنع :۔ بس ! بے خوف دیوانی خاموش ! میرے غصّہ و غضب کو
مشتعل نہ کر ، خدا جانتا ہے اتنی بے خوف تو وہ حقیر چڑیا

بھی نہیں ہوتی، جو اپنے تیئں ایک مگر مچھ کے کشادہ جبڑوں
کے اندر ڈال دیتی ہے! کیا تو فی الواقع یہاں سے بھاگ
جانا چاہتی ہے؟ ان اچھوتے محلات حرم کو جہاں تو دربار
عشق اور بارگاہ الہٰی میں مقبول ہو کر، ملکہ کی سی زندگی بسر
کر رہی ہے، ترک کر دینا چاہتی ہے؟ یاد رکھ! میرے
پنجہ سے نکلنا تیرے لئے اتنا ہی دشوار ہے، جتنا کہ
حشرات الارض میں اس کیڑے کے لئے جس پر ایک
زہریلا سانپ اپنی نظریں جما چکا ہے! جو چیز مقدر
ہو چکی ہے خواہ نیک ہو یا بد اس کا بدل جانا کیونکر ممکن
ہے؟ تو تا زیست میری ہے اور تا بہ مرگ مقنع کی معشوقہ
رہے گی، کیا تو اپنا عہد اپنا قول بھول گئی؟"

ہر چند کہ زلیخا کے لئے اب کوئی امید باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اس کی
مایوسیاں مکمل ہو چکی تھیں۔ اور وہ نوشتۂ تقدیر پر شاکر بھی نظر آتی
تھی، لیکن اس وقت مقنع کے ذلیل و بے ہودہ طعن و تشنیع سے اس کی
روح یکسر اضطرار بن گئی، اور مقنع کے تنفس کی سمیت نے جو حقیقتاً آگ
برق جاں سوز تھی، اس کے چہرہ پر موت کا غازہ مل دیا:۔

مقنع:۔ میری عروس مخصوص! تمام دوشیزگانِ حرم صرف اپنے اپنے
حجلوں کو مقام عروسی سمجھتی ہیں، لیکن تیرا مقام عروسی تو
وہ خاص حجرہ ہے جہاں مجھ پر اسرارِ غیب نازل ہوتے اور

جس کے دروازوں پر خوفناک روحیں پہرہ دیا کرتی ہیں،
جس وقت ہمارا عقد ہوا تھا، موت کی شمعیں جھلملا رہی تھیں
اور نیک روحیں اپنے نورانی کفن پہنے ہوئے ہمارے عقد
میں شریک تھیں! اے ملکہ، رعشہ براندام کیوں ہے؟
کیا میرے نہاں خانۂ خاص کی شرابِ رنگین کا وہ جام جس پر
ہمارا پیمانِ عقد باندھا گیا، جس نے تجھے میرا پابند بنا دیا
جس نے تیری روح اور تیرے جسم کو میری ملکیت کر دیا،
بہت تلخ تھا؟ ایک مضبوط زنجیر تیری ہستی کو جکڑے
ہوئے ہے۔ اب وہ متبرک ہو یا منحوس، اس گرہ کو تو آلاتِ
دوزخ بھی نہیں کھول سکتے! پس زلیخا اب تو حرم میں جا، اور
خوش و خرم نظر آ۔ اور یہ حزن و ملال کا رنگ دور کر دے
ہاں! ذرا ٹھہر! ایک بات اور! آج کی رات جو واقعہ گزرا
اس سے میں سمجھتا ہوں کہ بالآخر میرا راز تجھ پر روشن ہو گیا
ہے، تو اب سب کچھ جانتی ہے اور مجھے میری حقیقی روشنی
میں جانتی ہے! اے پرجوش لڑکی کیا تو نے ہر بات کو صحیح
اور ہر چیز کو واقعی تصور کر لیا تھا تو نے یقین کر لیا تھا کہ
میں نوعِ انسان سے محبت رکھتا ہوں؟ یہ اب بھی صحیح ہے
مجھے نسلِ انسان کے ساتھ ہمدردی ہے میں اس سے
محبت رکھتا ہوں مگر وہ ہمدردی و محبت جو ایک شکاری کو

اپنے شکار کے ساتھ ہوئی ہے۔ اب جب کہ تو میرے
بطون کے ایوان ملکونیت کو دیکھ چکی ہے۔ وقت آگیا
ہے کہ یہ شکل و شباہت بھی تیرے لئے نقاب کے اندر
نہ رہے۔ یہ پیشانی جس کا نور سماوی تیری برگزیدہ
آنکھوں کے لئے محفوظ رکھا گیا ہے۔ یہ چشم سحر آگیں
جس کی مخفی طاقتوں کے سامنے تو نے دیکھا ہے کہ لرزہ براندام
انسان کس طرح جبین عبودیت جھکا دیتا ہے۔ تیرے لئے
بے حجاب ہو جائے! ادھر مڑ، اور دیکھ! اگر تو پھر بھی
متحیر ہو تو ہو، کہ میں قدرت کے ان ستم ایجاد دشمن ظریف
ہاتھوں سے، جنہوں نے مجھے ایسا بد ہیئت اور کریہہ المنظر
بنا کر اس دنیا میں بھیجا، کیوں متنفر ہوں؟ اور میں نے
کیوں گناہ کو ذریعہ انتقام بنایا ہے؟ اگر تیری قوت فیصلہ
اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ میری کراہت میں ذرہ برابر
بھی اضافہ کر سکتی ہو تو اپنا شدید ترین فیصلہ بھی صادر
کر کے دیکھ لے!"

یہ کہتے ہوئے مقنع اپنا نقاب اُلٹ دیتا ہے۔ زلیخا آہستہ آہستہ
مڑتی ہے۔ اُس کی نظر مقنع کے چہرے پر پڑتی ہے اور خوفناک چیخ
مار کر بے ہوش زمین پر گر پڑتی ہے۔

یہ فسانہ یہیں تک بیان ہوا تھا کہ لالہ رُخ پر نیند کا غلبہ ہوا، اور

بادل ناخواستہ مثنوی کو ناتمام چھوڑ دیا گیا۔ صبح ہوتے ہی قافلہ شاہی روانہ ہوا۔ شام کو جب منزل پر پہنچا تو ایک عجیب سماں پیش نظر تھا۔ درختوں کے جھنڈ، ابریشمی قندیلوں سے آراستہ کئے گئے تھے جن کے لئے ایک چینی صناع خاص طور سے بھیجا گیا تھا۔ شاہزادی کی قیام گاہ کے چاروں طرف اور تمام راستوں میں بانس کی دیواریں اور دروازے تیار کر کے عجیب و غریب صناعی سے کام لیا گیا تھا جس سے ہر چیز نہ صرف مستقل اور حقیقی نظر آتی تھی بلکہ معلوم ہوتا تھا کہ دہلی کے محلات اس مقام پر منتقل کر دئیے گئے ہیں۔ اور ان کے گنبد و مینار محرابیں اور کلس رنگین روشنیوں سے منور ہیں۔ درختوں کی ٹہنیوں میں قمقموں کی وجہ سے تمام منظر پر ایک طلسمی کیفیت پیدا تھی اور یہ حصہ زمین پریوں کے رہنے کی جگہ معلوم ہوتا تھا۔

شاہزادی لالہ رخ، عظیم و زلیخا کے دردناک فسانے سے کچھ اس درجہ متاثر تھی کہ وہ اپنے دماغ کو مشکل سے کسی اور بات پر صرف کر سکتی تھی اور اگر اس کے ذہن میں کچھ جگہ باقی تھی تو وہ فسانہ گو کے حصے میں آ چکی تھی۔ چینی صناع کی بدقسمتی تھی کہ شاہزادی نے اس کے کمال فن سے دلچسپی نہ لی، اور جلدی سے خیمہ شاہی میں داخل ہو گئی۔ فضل الدین بھی بہ مجبوری شاہزادی کی متابعت میں خیمے کے اندر داخل ہو گیا۔ مگر اسے افسوس تھا کہ شاہزادی نے اس نمائش صنعت اور منظر چراغاں سے کوئی لطف نہ اٹھایا۔

نوجوان فسانہ گو فوراً طلب کیا گیا، اور قبل اس کے کہ فضل آلدین کسی بات یا سوال میں وقت ضائع کرتا، شاہزادی نے فسانے کا باقی حصّہ سُنانے کا حکم دیا۔ فرآمرز نے سلسلے کو پھر یوں شروع کیا۔

"اے عظیم، اے تصویرِ مردانگی! تو نے دُشمنوں کے مقابلہ میں اپنی شہامت کا ثبوت دیا اور اُن کے شدید حملوں کی مدافعت کی ہے، تو نے دنیا کے صعب ترین حالات میں دُشمنوں سے اپنی شجاعت کا اعتراف کرا لیا ہے، مگر تیار ہو جا کہ آج تیرا شدید ترین امتحان ہونے والا ہے آج تو حریمِ متقنع میں داخل ہوگا، جہاں ہر حصّہ زمین کا حسن اپنی عشق انگیز نگاہوں سے تجھ پر تیروں کی بارش کرے گا، جہاں مہلک ترین نشتر تجھ پر آزمائے جائیں گے، اور جہاں عشق کے دیوتا کے پاس ہر رنگ ادا کا حربہ تجھ پر صرف کرنے کے لئے مہیا ہوگا! پھر، کون کہہ سکتا ہے کہ وقت پر کون سا خنجر، کونسا تیر اُس کے ہاتھ آجائے؟ گھنی اور دراز پلکوں کے اندر چمک جانے والے پارہ ہائے برق، جھکے ہوئے پپوٹوں میں نگاہوں کے عریاں خنجر، آج تیری ہمت وجرأت کا امتحان کرنے والے ہیں! پھر، یاد رکھ کہ وہ نوجوان، جو اک حسنِ دلربا، اک شبابِ سحر خیز کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔ لیکن آلودگی سے پاک رہتا ہے، اس کے سحر سے متاثر ہوتا ہے مگر ترغیباتِ ناپسندیدہ سے آلودہ نہیں ہوتا وہی صحیح معنے میں فاتح ہے

اس وقت حریمِ متقنع میں آرائش وزیبائش کا اہتمام ہو رہا ہے۔ نوجوان کنیزیں اِدھر سے اُدھر پھر رہی ہیں۔ ایک کو اگر طرہ سر کی

زیبائش میں کمال حاصل ہے، تو دوسری فن نقاب انگنی میں ماہر، کہ کس طرح اس میں انداز تغافل پیدا کیا جا سکتا ہے۔ ایک اگر فن حنا بندی میں بے مثل ہے کہ انگلیوں کی پوریں کس ترکیب سے ایسی خوش رنگ رنگی جا سکتی ہیں کہ اگر ان کا عکس آئینہ پر پڑ جائے تو تہ آب شاخ مرجان کا گمان ہونے لگے تو دوسری تحریر سرمہ میں کمال رکھتی ہے اور جانتی ہے کہ کن آنکھوں کو کس وقت شوخ نگاہی کی ضرورت ہے، کب انہیں چشم بیمار ہونا چاہیئے اور وہ خوبی حسن کے لئے دوشیزۂ سرکیشا، شاہان ذی اقتدار کو بے تاب بنا دینے میں شہرت تامہ رکھتی ہے۔ آنکھوں میں کیونکر پیدا کی جا سکتی ہے۔

الغرض، اس وقت وہاں ہر شئے متحرک اور ہر چیز جنبش میں ہے طرۂ زر، گوہر آبدار، اور جواہر تابناک، ہر طرف جگمگا رہے ہیں۔ چند کنیزیں باغ کے تختہ ہائے گل میں سے، چاندنی سے دھوئے ہوئے تازہ پھول چن کر لائی ہیں کہ سنورنے والیوں کے جوڑوں میں لگائیں مسرور و سرشار دوشیزۂ ہند چمپا کی کلیوں کو دیکھ کر کس قدر متعجب نظر آتی ہے۔ جو اُسے اُس وقت کی یاد دلاتے ہیں، جب اُس کے ساتھ کی کھیلنے والیاں کنار گنگ پر چمپا کے پھولوں ہی سے اُس کے بالوں کو سجایا کرتی تھیں، اور ناظورۂ عرب کیسی مست مسرت ہے جب مُر کے شگوفوں کی نکہت نے پھر ایک بار سرزمین عرب میں

پہنچا دیا ہے۔

ان وسیع اور منوّر ایوانوں میں، جہاں فواروں کا سیمیں تقاطر ایک عجیب و غریب ترنم پیدا کر رہا ہے، گھومتا ہوا عظیم ایک بڑے قصر میں داخل ہوتا ہے وہ حیران ہے کہ اس دُنیائے نور میں، آثارِ زندگی کیوں نہیں؟ فرش کی نظر فریبی، نقرئی مجمروں میں عود و صندل کا سلگنا! اگر کی بتیوں کا چاروں طرف فضا میں تعجب آمیز اثر پیدا کرنا، یہ سب کچھ ہے۔ مگر کوئی انسانی صورت نظر نہیں آتی۔ اس ایوان میں داخل ہوتے ہی اس کی نگاہیں روشنی و تابانی کے ایک سمندر میں غوطہ زن ہوتی ہیں۔ وسط ایوان میں ایک خوبصورت فوارہ پانی کو اُچھال رہا ہے، جو سقف مدوّر کے زرکار پھولوں کو چھُو چھُو کر مرمریں فرش پر گر رہا ہے۔ اُس کے چڑھتے ہوئے پانی میں رنگین روشنیاں اس طرح منعکس ہوتی ہیں گویا قوس قزح کو پارہ پارہ کر دیا گیا ہے! ایک ظرف بلوریں کے اندر شفاف و پاکیزہ پانی میں چھوٹی چھوٹی رنگین مچھلیاں چمک رہی ہیں۔ گویا پرستانی معدن سے نکلے ہوئے سونے کے ٹکڑے ہیں، جو پانی میں ڈال دیئے گئے! دُوسری جانب صندلیں پنجروں میں انواع و اقسام کے خوبصورت پرند آویزاں ہیں، مست و مسرور رنگینی، عرب کے نیلگوں کبوتر، ہندوستانی شاما جو شوالوں کے کنگروں پر بیٹھ کر اپنے پاکیزہ نغموں کی بارش کرتی رہتی ہے۔ وہ سنہرے پروں والے جو فصل کی تیاری کے زمانے میں باغوں میں آجاتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے

کوئی ایسی خوشبودار چیز کھائی ہے جس کی مستی نے اُن کو اس طغیانی بہار کا والہ و شیدا بنادیا ہے، اور وہ چڑیاں جو عرلبستانی آفتاب کے اندر شگوفہ بار الائچی کے درخت میں گھونسلا بناتی ہیں، الغرض تمام نادر و حسین پرندے جو فضائے پاکیزہ میں بال کشا ہو سکتے ہیں۔ یہاں مصروف ترنم ہیں اور حقیقی معنے میں فردوس کا منظر پیش کر رہے ہیں۔

اس منظرِ عجیب غریب کے اندر جو قیام گاہِ پیغمبر ہونے کے بدلے بہشت شدّاد نظر آتا ہے، عظیم اپنے دل میں خیال کرتا ہے:۔

کیا یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے سے انسان کی رُوح
دُنیا کی مصیبتوں سے آزاد ہوگی ؟ کیا یہی وہ تعلیم ہے کہ
اس زندگی میں پاک لوگوں کے لئے کوئی راحت نہیں
سوائے اس راحت کے جو نیک اعمال سے اس کی رُوح
کو حاصل ہو، اور مرنے کے بعد اُس کا نام روشن
ہو کر دوسروں کے لئے نشانِ ہدایت اور شہرت کی
بلندیوں پر روشن اور منوّر ہو ؟"

اے شریفانہ جذبات اور شجاعانہ افکار کے حسین پیکر! جو کچھ تجھ سے کہا گیا ہے، یہاں اُسے تلاش نہ کر، یہاں تو اس مکروہ عیش کے بہانے سے تیری آزادی کو مفلوج کئے جانے کی تدبیریں ہیں! وہ چیز جس نے فدایانِ حریت و صداقت سے بغیر فانی کارنامے کرائے، وہ

اس نشاطِ فانی کا اثر نہ تھا بلکہ جفاکشی، پرہیز گاری اور نیک خصلتی کا نتیجہ تھا اس لئے وہ یقیناً ایک سچا پیغمبر نہیں ہوسکتا جو اپنے مقصد وحید و مقدس کو دُنیا کے فانی جاہ و حشم سے آلودہ کردے۔

"میں جانتا ہوں کہ مقنع مجھے ایک کمزور و ناتوان انسان تصور کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ عیش وطرب کی یہ نمائش مجھے اپنی طرف متوجہ کرلیں گی۔ ہاں اے مقنع کی روشنیو چمکو! اور اپنی پوری طاقتوں کے ساتھ چمکو! میری نظرت کو تم خیرہ نہیں کرسکتیں۔ وہ تمہارا مقابلہ کرے گی"۔

یہ خیالات تھے جو عظیم کے دل و دماغ کے سامنے آنِ واحد میں بجلی کی طرح چمک گئے، لیکن باایں ہمہ وہ مسحور ہوا جارہا ہے۔ تعطر و بخور کا تنفس ایک بسیط روح کی طرح فضا پر حاوی ہے، فواروں کے خاموش نغمے شہد کی اُن مکھیوں کے خواب آور گیتوں کا اثر رکھتے ہیں جو نکہت بار پھولوں کے گرد ہجوم کرکے اُن کے عمق میں گاتی گاتی سوجاتی ہیں موسیقی دُور کی موسیقی کسی مخفی مقام سے اِک موج نغمہ پیدا کررہی ہے اور اس تعطر میں اس قدر نشاط و سکون پنہاں ہے کہ وہ دل، جو اس طلسمِ رُوح پرور سے مسحور نہ ہوجائے، شاید دنیا کی کسی شے کا احساس نہیں کرسکتا! ۔ عظیم اپنے نرم و نازک حسیات کے ساتھ ایک صندلی تخت پر بیٹھ جاتا اور اپنے حواس کو اس شہر یں ماحول میں اُسی طرح جس طرح طوفان کے بعد سطح بحر پر موجیں نزاکت و سکون کے ساتھ ایک دُوسرے پر آآکر ٹوٹتی ہیں۔ عظیم کے بحرِ تخیل پر زلیخا کے یاد کی موجیں آکر ٹوٹنے لگیں! وہ

اُس زمانے کی یاد کرتا ہے۔ جب یہ دونوں ایک دوسرے میں ڈوب ڈوب جاتے اور سکوت مسرور میں اس حد تک محو رہتے تھے کہ گویا اس عالم میں خدا تے اور کوئی شے پیدا ہی نہیں کی، یا تمام کائنات انھیں کی نگاہوں میں سما گئی ہے!

زلیخا، میری پیاری زلیخا! تیری یاد اسوقت بھی میری ہمدم ہے، تیری روح مجھ میں اب بھی ساری ہے! میں جہاں کہیں بھی ہوں، تیرا ہوں، اور صرف تیرے لئے ہوں! میں اگر کامیابی و کامرانی چاہتا ہوں تو محض اس لئے کہ وہ تیری تابشِ حسن کا باعث ہو سکے، میں تیری محبت افشاں نظروں میں اپنی جانفشانیوں کی داد پڑھ لینے کی تمنا رکھتا ہوں، میں اگر تیرے ایک تبسم زیر لب سے شاد کام ہو جاؤں تو اس لمحہ مختصر کو حیاتِ جاوید سے بیش قیمت سمجھونگا! میں حیران ہوتا ہوں کہ جب میں تجھے پھر پاؤں گا اور تیرا پہلو میری گرمی قلب کا باعث ہو سکے گا تو میں اُس مسرت کا تحمل کیونکر کرونگا؟ ہر چند میں اس لطف و محبت کے قابل نہیں کیونکہ اس حالت و کیفیت کا مستحق تو ایک بہترین انسان کو ہونا چاہیئے! آہ! وہ ساعت جب میں نے تیرے نازک ہونٹوں کا رخصتی بوسہ لیا تھا! میں پھر ایک لذیذ بوسے سے اُن آنسوؤں کو خشک کرونگا۔

جنہیں صرف تیری ہی روح جاری کر سکتی ہے۔ اور اُن آنسوؤں
میں وہی حرارت محسوس کروں گا جو آنکھ سے نکلتے وقت پیدا
ہوتی ہے! اُف جب میں اُس وقت کو یاد کرتا ہوں تو میرا دل
تڑپ کر رہ جاتا ہے۔"

عظیم اس فردوس خیال کی سیر میں محو ہے اور تھوڑی دیر بعد اس نغمے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، جس کا ہر سُر، فاصلے کی اثر آفرینی سے سلسلۂ سحر کی ایک کڑی معلوم ہوتا ہے پھر وہ آوازوں کی سمت ہو لیتا ہے اور بے شمار قمقموں کی طویل قطار میں (جس طرح ایک شفاف چشمہ پر انعکاسِ شفق ہوتا ہے) ایک دریائے نور و تجلی رواں دیکھتا ہے۔ حدِ نظر پریوں کی ایک قطار نظر آتی اور وہ اُس کی جانب بڑھتا ہے۔ اِس ہجومِ لطافت میں بعض پریاں جنہیں پھولوں کی زنجیر سے باہم وابستہ کر دیا گیا ہے، پیچ و خم کے ساتھ رقص میں مصروف ہیں۔ اور بعض آزادانہ حلقۂ رقص کے گرد چکر لگا رہی ہیں! گویا پروانوں نے شمع کے گرد ہجوم کر رکھا ہے! چنگ و رباب کی موسیقی۔ اور اُن کے نغمہ ہائے مُسکر میں گم ہو جانے والے عظیم کی آنکھوں کے سامنے پریوں کا قریب تر آنا اور پھر دُور ہٹ ہٹ جانا وہ منظر ہے جس کی کوئی تفریح نہیں ہو سکتی ہے وہ اس منظرِ لطیف میں غرق ہے کہ دفعتاً پریوں نے اپنی موسیقی بند کر دی اور ان کا ہجوم اس طرح منتشر ہو گیا جس طرح خورشید کے گرد گلابی بادلوں کے ٹکڑے شام کے وقت پھیل جاتے ہیں! البتہ اس ہجوم میں ایک رعشہ بر اندام دوشیزہ پیچھے رہ گئی ہے۔ ہر چند وہ اپنے ساتھ کی پریوں سے

لوٹ آنے کی درخواست کرتی ہے مگر کوئی اس کی تعمیل نہیں کرتا، اور اس خاورستان میں وہ تنہا رہ جاتی ہے۔ گو اس کے چہرہ پر کوئی نقاب نہیں ہے، مگر شیراز کی لڑکیوں کی وضع کا ایک نہایت سبک و مرصع جھومر اس کے گیسوؤں اور کافوری پیشانی کے ایک حصے کو چھپائے ہوئے ہے۔ زلیخا اس حالت میں کشمش و احتراز کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں صندلی رباب ہے جس پر ہاتھی دانت اور سونے کا کام ہے، اور وہ لمبے تابانہ تاروں کو چھوتی اور اپنی مرتعش انگلیوں کو ہٹا لیتی ہے۔ ایک اُچٹتی ہوئی نظر، اک کہربائی خط عظیم کے چہرے پر ڈالتی اور مطمئن ہو جاتی ہے کچھ دیر بعد وہ ایک نیم وحشی غزالہ کے مانند اک جھجک کے ساتھ آگے بڑھتی اور کاشانی مسند پر بیٹھ کر رباب کے تاروں کو چھیڑتی ہے، اور یوں نغمہ زن ہو جاتی ہے:۔

"گلاب کے اُس کنج میں جہاں تمام تمام دن اور تمام تمام رات بلبل نغمہ سرائی کرتی تھی، ایام طفلی میں پھولوں سے لدی ہوئی ڈالیوں میں چھپ کر بلبل کے گیت سننا اب ایک خواب سا معلوم ہوتا ہے! آہ! اُس کنج کی نغمہ آفرینیاں مجھے کبھی فراموش نہیں ہو سکتیں! جب موسم اپنے شباب پر ہوتا ہے، میں اکثر سوچا کرتی ہوں کہ آیا بلبل اُس کنج میں اب بھی مصروف ترنم ہے یا نہیں؟ آیا اس وقت بھی رودبند میر کے کنارے اسی طرح تابناک و ساکن ہیں؟ مگر پھر سوچتی ہوں کہ امواجِ دریا پر جھکی ہوئی شاخہائے گل کیونکر

پژمردہ ہونے سے بچی ہوں گی، جن کے نوزائیدہ غنچے، ہم چن لیا کرتے اور اُن کے قطرات شبنم پنکھڑیوں سے نچوڑ کر زمین پر ڈال دیا کرتے تھے؟

ماضی کی یاد سے قبل اس کے کہ وہ فنا ہو، میں مسرت حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہوں! وہ ماضی جس نے میری روح کو منور کیا تھا، اور جس کی یاد شاید ہمیشہ میرے خیال کی نگاہوں کو منور بنائے رکھے گی، کیا وہ کنج اب بھی رُود بند میر کے کنارے آباد ہے؟"

غریب لڑکی! اگر میرے پاس تو اس لئے بھیجی گئی ہے کہ اپنے حسن کی تابناکیوں، اور اپنی موسیقی کی لطافت باریوں سے میرے دِل کو غیر مقدس خواہشات سے لبریز کر دے، تو تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ حقیقتاً تو اس فن سے بے بہرہ ہے۔ اور یوں بھی، ہر چند تیرے پنکھڑی جیسے لب مجبور ہیں کہ اپنی جنبش کو ایک غلط راستہ کی دعوت پر صرف کریں، مگر تیری عصمت بار آنکھیں اس نغمۂ فریب کی ہم آہنگ نہیں ہو سکتیں، وہ اسوقت بھی اس کی تردید کر رہی ہیں! میں دیکھتا ہوں کہ تیرا نغمۂ عہد شباب کے پاکیزہ ترین جذبات کا حامل ہے، اور مجھے اس فضائے معصوم میں کھینچے لئے جاتا ہے، جہاں

خیال معصیت کے لئے انسانی دماغ "تنگ ہو کر رہ جاتا ہے
اس لئے میں اپنا فرض تصوّر کرتا ہوں، کہ اس سے قبل
کہ تیری آرزو میں گمراہ ہوں، میں تیرے قفس کی تیلیاں
توڑ دوں، تاکہ تو پھر چمنِ محبت کی فضا میں اُڑ کر پہنچ جائے"

عظیم ہنوز اسی خیال میں مصروف تھا کہ ایک جانب لاجوردی پردہ آہستہ آہستہ حرکت میں آتا ہے، بے شمار آنکھیں، شام کے نیلمیں آسمان میں طلوعِ انجم کی طرح، خنداں نظر آتی ہیں۔

پردہ جب پورا کھل جاتا ہے، اور کنواریاں پرستان کے معلق نسترن زاروں میں رہنے والیوں کی طرح مسکراتی ہوئی نمودار ہو جاتی ہیں، تو نسیم کے فرحت بخش جھونکوں کے ساتھ پھولوں کی بارش شروع ہو جاتی اور ایک لطیف رقص، جس کا تعلق فرش سے نہیں بلکہ فضا سے معلوم ہوتا ہے، شروع ہوتا ہے!

زلیخا اس ہنگامہ رقص و موسیقی کو دیکھ کر، اپنا بدن چراتی ہوئی اس طرح اُٹھ جاتی ہے جس طرح شعاع آفتاب سے متاثر ہو کر بنفشہ کے پھول سمٹنے لگتے ہیں۔ عظیم دور ہی سے ایک آہِ سرد کے ساتھ اُس کی مشایعت کرتا ہے لیکن قریب جا کر اس کو دیکھنا گوارا نہیں کرتا، کہ مبادا اس کی نگاہیں اس کے حسن کو میلا کر دیں!

رقص کرنے والی کنواریاں رقص کر رہی ہیں۔ اُن کی گردنیں گویا مینائے مرمریں ہیں، جن کے اندر ارغوانی شراب بھری ہوئی ہے، اور ان پر مشرقی

جواہر کی زیبائش، یہ معلوم ہوتا ہے کہ پھولوں کے ہار کسی آبگینۂ رنگین پر ڈال دیئے گئے ہیں! اُن کے رقص کا ہر دائرہ قوس قزح نظر آتا ہے، اور اُن کی طلائی پازیبوں کے گھونگھرو اپنی آواز سے روح کو بے تاب کئے دیتے ہیں۔

رقص، آخر کار ختم ہو جاتا ہے، ایک لڑکی دوسری کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہے، اور اُن کا سریع تنفس پردوں سے گزر کر پھولوں کی نکہت میں ملا جا رہا ہے! تھوڑی دیر بعد پھر ایک چشمے کی سی موسیقی پیدا ہونے لگتی اور عظیم اس منظر تبسّم و موسیقی، اس نظارۂ رنگ و گل سے، مضمحل ہوا جا رہا ہے! وہ سمجھتا ہے کہ اس ہنگامے میں محسوسات کو تھوڑی سی آزادی دے دینا بھی تباہی نہ ہے۔ اس لئے وہ کھڑا ہو جاتا اور دیواروں کی آرائش و زیبائش سے دل بہلانے لگتا ہے۔ نقاشی و مصوّری کے اُن مناظر کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جو اُس کے لئے بالکل نئے اور سخت حیرت انگیز تھے وہ ایک تصویر دیکھتا ہے جس میں مصوّر نے اپنے مو قلم کی تمام جاں بخش نزاکتوں کے ساتھ ظاہر کیا تھا کہ دامنِ نقاب جلوۂ بے محابا سے زیادہ دلکش، اور نیم نگاہی نظارۂ بے حجاب سے زیادہ مہلک ہوتی ہے! اُس کے بعد اُسے دوسری تصویر نظر آتی ہے جس میں عزیز مصر کی بیوی زلیخا جوشش شوق میں اپنی آغوش کھول دیتی اور عبرانی نوجوان اُس کے مہلک شباب سے بھاگتا اور مڑ مڑ کر دیکھتا جاتا ہے کہ کہیں وہ اس بلائے حسن سے قریب تر تو نہیں ہو گیا۔

ان تصویری افسانوں کو پڑھتا ہوا وہ ایک کھڑکی کے قریب پہنچ

جاتا ہے، جہاں سے سکونِ ماہتاب میں چمن کا نظارہ کرتا ہے، لیکن وہ ایسا اثر محسوس کرتا ہے کہ شاید نسیم کے جھونکے قائم ہو گئے ہیں، اور نہر کی روانی بے جان! صدائے موسیقی اب بعید تر ہو جاتی ہے۔ اور اس قدر نرم ہو کر اُس تک پہنچتی ہے گویا فضا نے اس غنا و موسیقی کے اندر سے وہ سب کچھ جذب کر لیا ہے جس کا تعلق تاثراتِ ارضی سے ہے اور اب وہ مطلقاً سماوی بن گئی ہے! ان کیفیت آفریں مناظر اور اس تاثر زا عالم میں وہ اپنے ہجوم جذبات سے بے تاب ہو کر اپنی حیاتِ معاشقہ کے خوابوں میں مستغرق ہو جاتا ہے۔

بے خبر ہستی! خواب دیکھے جا اور اس خواب نوشیں سے کبھی بیدار نہ ہو! کیونکہ تیری روح کے لئے یہ آخری فرصت لطف و مسرت ہے۔ قبل اس کے کہ تیرے خواب کی مسرتیں تجھ سے چھین لی جائیں اپنے پیکرِ جذبات کو آغوشِ خیال میں لے کر جس قدر لطف حاصل کر سکتا ہے کر لے۔ اس تبسم ذی حیات کا خواب دیکھ لے، جس نے وقتِ وداع تیرے دل کو اپنی روشنی سے بھر دیا تھا، اُن آنسوؤں کی یاد تازہ کر لے جو جدائی کے وقت تیرے سامنے پیش کیے گئے تھے، اور حسن کی پاکیزگی کو بہترین گوہرِ شاہوار بھی نہیں پہنچ سکتے! ہاں اُس مکان و فضا کا تصور کر لے جہاں وہ اس وقت بھی تنہائی و بے کسی کے ہجوم میں تیری منتظر اور ایک تنہا جگمگانے والے ستارہ کی طرح تیرے لئے سراپا انتظار بنی ہوئی ہے! آہ تیرا خواب جس کی شیرینی و لطافت تیرے دل کی تنہا روشنی تھی، آج تباہ ہونے والا ہے۔ اور ہمیشہ

کے لئے معدوم!

موسیقی خاموش ہو جاتی ہے اور آواز نغمہ موقوف! پریاں رخصت ہو جاتی ہیں، اور عظیم ایک آہِ جگر خراش سنتا ہے، ایک گریۂ ملال اسے اپنی جانب متوجہ کر لیتا ہے، مگر یہ کون ہو سکتا ہے؟ عظیم کے دردمند دل کے صدمہ و حیرت کی کوئی انتہا نہیں ہوتی کہ اس جگہ غم و محن، رنج، و مصیبت کیونکر بار پا سکتے ہیں؟ وہ ہچکیوں اور سسکیوں کی جانب بڑھتا اور دیکھتا ہے کہ ایک گوشے میں ایک نقاب پوش نازنین، دیوار کے سہارے کھڑی ہے۔ اس تصویرِ غم کا لباس نیلگوں ہے جیسے بخارا کی عورتیں کسی عزیز کی مفارقت یا موت کے وقت پہنتی ہیں۔ اس خیال آتے ہی وہ تمام کیفیات اس کی نظر کے سامنے ہو گئیں، جن سے وقت وداع زلیخا کا دل بھر آیا تھا اور جب اس کی آواز بند ہو کر صرف گرم گرم آنسو جذبات کا اظہار کر رہے تھے!

اس کے جذبات میں ایک تلاطم پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ایک عالم بے خودی میں اپنی آغوش کھول دیتا اور وہ زار و نزار لڑکی بھی عشق کی اس پزیرائی کے لئے بڑھتی ہے مگر قبل اس کے کہ وہ عظیم کی آغوش تک پہنچے اس پر غش طاری ہو جاتا ہے اور بے ہوش ہو کر گر پڑتی ہے، نقاب سرک جاتا ہے، اور عظیم جمالِ زلیخا کا نظارہ کرتا ہے! زلیخا کی حالت اس قدر بدلی ہوئی تھی کہ سوائے عظیم کے کوئی دوسرا اس کو پہچان بھی نہ سکتا تھا! وہ چند لمحہ کے لئے شک و شبہ کی تصویر بن جاتا ہے۔ پھر

اُس کا سر اپنے زانو پر رکھ کر پیشانی سے حلقہ ہائے گیسو ہٹاتا ہے، اس کی بند آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ زلیخا کو دیکھتا ہے، اُس کو جس کی یاد میں اُس نے اتنا زمانہ بسر کر دیا تھا!

عظیم:۔ زلیخا میری پیاری زلیخا، آنکھیں کھول، ایک مختصر لمحے کیلئے اپنی روح کے ان غرفوں میں مجھے وہ محبت دیکھ لینے دے جس سے میرے بیتاب دل کو تسکین ہوا کرتی تھی۔ کیسا مبارک تھا وہ ذریعہ جو تیرے یہاں پہنچنے کا حیلہ ہوا! اگر دنیا کی تمام نعمتیں فراہم کر دی جائیں اور مجھے اختیار انتخاب ملے، تو اے میری پیاری! میری نگاہِ انتخاب صرف تجھ ہی پر پڑ سکتی ہے اور اس وقت میں یہی باور کر رہا ہوں کہ تمام عالم کی نعمتیں مجھے دے دی گئی ہیں۔ کیونکہ آج میں پھر اپنی زلیخا، پیکرِ عصمت زلیخا کو اپنے پہلوئے شوق میں دیکھ رہا ہوں!"

عظیم کا ایک بوسے سے جو کہربائی اثرات سے لبریز تھا، زلیخا کی آنکھیں اس طرح کھل جاتی ہیں جیسے برف ہوا کے اثر سے آہستہ آہستہ پگھل کر اپنے نیچے دبے نیلگوں رنگ کے پھولوں کو نمایاں کر دیتی ہے۔ اس کی نظریں عظیم کی آنکھوں میں ڈوبتی چلی جا رہی ہیں، لیکن اُن میں بے چینی و وحشت ہے، اور اُس کا سارا جسم عظیم کی آغوش میں ایک مستقل لرزش بنا ہوا ہے! آخرکار وہ اپنے تئیں عظیم کی گود سے علیحدہ کر لیتی ہے اور ایک دردمند چیخ کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیتی ہے، گویا اس کی زندگی کی تمام

لغزشیں اس کے چہرے پر منقوش ہیں، جنہیں وہ کسی کو دکھانا نہیں چاہتی
زلیخا کی حالت اور اس کی چیخ کے ساتھ اس جگہ کے تمام مناظر و حالات دفعتاً عظیم کے ذہن و دماغ پر مستولی ہو جاتے اور مرگ ناگہاں کی طرح اس کے لبریز شوق دل کو سرد کر دیتے ہیں۔ اب ہر چیز اس کے سامنے آئینہ ہو جاتی ہے وہ محسوس کرتا ہے کہ صحیح معنے میں اس کی زندگی کی تباہی آج ہی شروع ہوتی ہے۔

زلیخا:۔ آہ عظیم! ہر چند میں اپنے تئیں برباد کر چکی ہوں، مگر یہ یقین نہ کرو کہ کذب و معصیت مجھے اپنی طرف راغب کر سکتے ہیں نہیں! بلکہ میرے مفتوح ہونے کا سبب، میرا ناقابل برداشت اندوہ و الم تھا، جس نے مجھے دیوانہ کر دیا تھا! اگرچہ میں جانتی ہوں کہ تمہارے دل میں میری محبت کیلئے اب کوئی جگہ باقی نہ رہنا چاہئے، لیکن میرے کہنے کا اس قدر ضرور یقین کرو کہ مجھ میں ایک ذرہ عقل و حواس باقی رہنے تک بھی دنیا میں کوئی شے مجھے تم سے منحرف نہیں کر سکتی تھی۔ مجھ سے تو کہا گیا تھا کہ تم مارے گئے! کاش ہم دونوں کے جدا ہوتے وقت مجھے بجلی نے جلا کر خاکستر کر دیا ہوتا! کاش تم جان سکتے، تمہیں یقین آ سکتا کہ میں نے ایام مفارقت کس طرح سیل اشک بہا بہا کر بسر کئے ہیں گویا درازی ہجراں ایک درخت تھی جس کی آبیاری میں نے

اپنے آنسوؤں سے کی! اس طویل جدائی کا ایک ایک لمحہ
میں نے صرف تمہارے خیال میں بسر کیا ہے! اور صرف
تمہارے خیال کی تکرار اس قدر کی کہ وہ بھی آخر کار درد
و کرب بن گیا! اور مفارقت سے سرد ہو جانے والا دلِ
اُس پارۂ برف کی طرح ہے جو قطرہ قطرہ ہو کر بہہ جاتا ہے!
کاش تم دیکھ سکتے کہ میں نے دروازہ پر کھڑی رہ کر تمہارے
انتظار میں کتنی صبحوں کو شام کر دیا ہے۔ راتوں کی طویل
گھڑیاں بیم و رجا کی جاں گسل کشمکش میں کس طرح آنکھوں
ہی آنکھوں میں گزار دی ہیں! کیونکہ میرے کانوں میں تو
تمہاری آوازِ قدم ہر وقت گونجا کرتی تھی، خدایا! تو
واقف حال ہے، کہ جب لشکرِ غم میرے دل کی آبادی
اور میری اُمیدوں کو بے رحمی کے ساتھ زیر و زبر کر رہا تھا
جب "عظیم مارا گیا" کی دلخراش آواز نے میرے حواس کو
معطل کر دیا تھا، اس وقت دنیا و آسمان کی تمام روشنیوں
میں ایک جھلک بھی میری نظر کے لیئے باقی نہ رہ گئی تھی!
اور ساری دُنیا کی مصیبت میری جانگداز تکلیف کا نصف
بھی نہیں ہو سکتی تھی! عظیم تم مجھے رحم کی نگاہوں سے
دیکھتے ہو، ہاں میں جانتی تھی کہ میرے حالِ زار کا فسانہ
المناک تمہارے دل کو ضرور نرم کر دے گا، اور تمہارا

رنج و غصہ افسوس و رحم سے بدل جائے گا!

وہ مکار و دغا باز، جو مجھے دھوکہ دے کر یہاں لے آیا اُس نے مجھ سے ایسے قصے بیان کئے کہ اگر میری جگہ فرشتہ ہوتا تو وہ بھی اس کے دامِ فریب میں آجاتا اور اس کے مکر سے بچنا محال ہوتا، اُس نے مجھ سے کہا کہ میں ابدی نور کی فضا میں تم سے مِل سکوں گی! ہمیشہ تم میری آنکھوں کے سامنے رہو گے! لیکن اس پُرسکون زندگی کی مستحق وہی مقبول و برگزیدہ ہستیاں ہو سکیں گی، جو اس عالم میں مقتنع کی خدمت کریں گی! سوچو، غور کرو کہ میرے لئے یہ کیسی اُمید تھی، تم میری حالت پر روتے ہو، آنسو بہاتے ہو! ہاں بہاؤ، اور ضرور بہاؤ! کاش میں ان آنسوؤں کو اپنے لبوں سے خشک کر سکتی، مگر ہائے نہیں میرے ناپاک لب تمہاری مقدس سانس کو نہیں چھو سکتے میرے لئے وہ ایک لمحہ خود فراموشی، جو کبھی تمہاری آغوشِ محبت میں حاصل ہوا تھا، کافی ہے۔ میں اس کی قدر کروں گی اور آخری سانس تک میری رُوح اُسی کی پرستش میں مشغول رہے گی جس کی یاد میرے دورِ خوش کامی کا آخری تبرک ہوگا، اُس وسیع سمندر کا ایک قطرۂ شیریں ہوگا جو اب بالکل خشک ہو چکا ہے! مگر اب تمہیں یہاں سے جلد

چلا جانا اور ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جانا چاہئے یہ مقام
تمہارے مقدس قدموں کے قابل نہیں ہے میں نے اپنی
تباہیوں کا ابھی نصف بیان بھی نہیں سنایا ہے۔ اتنا
سمجھ لو کہ یہاں معصیت کی حکومت ہے اور ہماری
روحوں کے درمیان بد نصیبی کا ایک ایسا طوفان حائل
ہے جس کی تاریکی مجھے تمہاری ہستی سے اسی طرح علیحدہ
کر رہی ہے جس طرح جنت سے دوزخ !

عظیم :۔ زلیخا ! زلیخا !! عرش پاک کی قسم اگر باب اجابت
ہنوز بند نہیں ہو گیا ہے ، تو یقیناً تیری لغزشیں نظر انداز
کی جائیں گی اور تیری خطائیں بخش دی جائیں گی! تیرے
محسوسات کی معصومی اور تیرا انفعال تیری نجات کے
ضامن ہیں! محبت کی اُس مقدس روشنی کی قسم ، جو ہم
دونوں کی روحوں کے مزار پر اب بھی عکس فگن ہے' اور
جو تیرے دل میں یہاں کی آسودگیوں کی کثرت کے
باوجود اور میرے دل میں مایوسیوں کے طوفان سے
بھی افسردہ نہیں ہو سکی ہے ، تو نجات حاصل کرے گی!
آ ، میرے ساتھ چل اور اس ناپاک سرزمین کو ہمیشہ
کے لئے چھوڑ !

زلیخا :۔ میں تمہارے ساتھ چلوں ! تم مجھے اپنے ہمراہ لے چلو گے؟

خداوندا، کیا میں اتنی خوشی نصیب ہو سکتی ہوں؟ آہ! یہ مسرّت تو ایک عمر کی اذیت و صعوبت کے معاوضے سے بھی بہت زیادہ ہے! پیارے عظیم! سچ کہو، کیا تم مجھے ایک تباہ کار ہستی کو اپنے ہمراہ لے چلو گے؟ اپنے دلنواز پہلو میں جگہ دو گے؟ اور کیا یہ ممکن ہے کہ وہ لمحاتِ تاثر وکیفیت، جن میں ہم دونوں اس قدر خوش اور آسودہ رہ چکے ہیں، پھر واپس مل جائیں گے؟ آہ اگر یہ خواب ہے تو ایسا خواب ہے، جس میں جنتوں کی عشرت پنہاں ہے۔ تمہارا قرب اب مجھے ہمیشہ حاصل رہے گا۔ اِن ہونٹوں کے ملکوتی نغمے ہر وقت میرے کانوں میں پہنچتے رہیں گے یہ نگاہیں ہر لحظہ میری روح کو اپنی شرابوں سے سرشار کرتی رہیں گی، اور جس طرح داغ دار چادر سورج کی روشنی میں سفید سی معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح تم اپنی پاکیزگیوں کو میرے اُوپر منعکس کرتے رہو گے! غروبِ آفتاب کے وقت جب کہ خاطی و مجرم ضمیر پر گناہ کی یاد اپنی پوری طاقتوں کے ساتھ یورش کریگی تو تم اپنی لبریزِ اشک، پیاری پیاری آنکھیں آسمانوں کی جانب اٹھاؤ گے اور اپنی زلیخا کے حق میں دُعائیں مانگو گے! اور میں بھی اپنی ضعیف و خطا کار نگاہوں کو

اسی نقطے پر حماد یا کروں گی ، یہاں تک کہ رحمتِ خداوندی
کے لئے ایک پیکرِ غم کا دِل گرفتگی کے ساتھ ہر وقت
تمہارے پہلو سے لگے رہنے کا نظارہ ناقابل برداشت
ہو جائے گا ، اور فرشتۂ رحمت پیام عفو اور مژدۂ
نجات لے آئے گا "

ابھی زلیخا کی گفتگو ختم نہ ہونے پائی تھی کہ کسی طرف سے آواز آئی
" اپنی قسم کو یاد کر! اپنی قسم کو یاد کر! " زلیخا کی رگوں کا خون اس آواز
کو سُن کر سُرخ سے زرد رنگ ہو گیا ، اور نہایت ضعیف و مردہ
آواز میں اُس نے عظیم سے کہا :-

" یہ اُسی کی آواز ہے ، یہ وہی ہے ، اور میں اُسی کی ہوں
بس اب سب کچھ ختم ہو گیا! تم یہاں سے اپنی جان بچا کر
نِکل جاؤ ورنہ تم بھی تباہ و برباد کر دیئے جاؤ گے۔ آہ!
خدایا ، میری قسم ہاں یہ سچ ہے کہ میں مقنع کی منکوحہ
ہوں اور ہمیشہ کے لئے اس کی ہو چکی ہوں جس وقت
میں نے یہ منحوس قسم کھائی تھی مردوں کی روحیں وہاں
شہادت کے لئے آئی تھیں ، اور میری قسم کو اُن کے
نیلے ہونٹوں نے دُہرایا تھا ، میں اس وقت بھی وہی خوفناک
آواز یں سُن رہی ہوں ، اُن کی آنکھیں میرے سامنے
چمک رہی ہیں۔ جب میں نے قسم کا ساغر ہونٹوں سے

لگا یا تھا تو میں نے محسوس کیا تھا کہ کھولتے ہوئے خون کا ایک گھونٹ میرے حلق سے اتر رہا ہے اُس کا اثر اس وقت بھی میری زبان پر ہے۔ آج رات کو میں نے اپنے نقاب پوش شوہر کی شکل بھی دیکھی! خدا ہی خوب جانتا ہے کہ اس نے اس کی شکل سے زیادہ مکروہ صورت کوئی اور بھی بنائی ہے یا نہیں اب میں جاتی ہوں۔ کیونکہ میں نہ تو تمہاری ہو سکتی ہوں اور نہ خدا کی! نہ محبت کی ہوں، اور نہ کسی ایسی چیز کی جو مقدس ہے! آہ، تم مجھے اپنی آغوش میں مضبوطی کے ساتھ لئے لیتے ہو، مگر شاید نہیں جانتے کہ جو شیطان، دلوں میں تفریق پیدا کر سکتا ہے وہ ہاتھوں کو بھی جدا کر سکتا ہے۔ اچھا پیارے عظیم، خدا حافظ! ہمیشہ کے لئے خدا حافظ!"

دیوانگی وجنون کی حالت میں کمزور بھی شہ زور ہو جاتے ہیں اور یہی دیوانگی کی طاقت تھی کہ زلیخا عظیم کی گود سے نکل کر ایک چیخ کے ساتھ اُس مقام سے دفعتاً چلی جاتی اور نظروں سے پوشیدہ ہو جاتی ہے۔

شاہزادی لالہ رُخ، زلیخا وعظیم کے عشقِ ناکام کی داستان اور الم نصیبی کے بیان سے اس قدر متاثر ہوئی کہ تمام دن اس کا خیال اسی میں مصروف رہا۔ مسرت اندوزی کا جذبہ، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ، اس کے پاس سے یکسر معدوم ہو گیا ہے وہ اس قدر انہماک

میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اس نے فضل الدین کی طرف آنکھ بھی نہ اٹھائی
اُس نے ایک قسم کی بے چین مسرت کے ساتھ اول مرتبہ یہ تصور
کیا کہ عظیم بالکل فرامرز اور فرامرز بالکل عظیم ہے!

کاروان شاہی جس وقت ایک ندی کے کنارے سے گذر رہا تھا،
شاہزادی نے ایک ہندو دوشیزہ کو دیکھا ایسے ناوقت اس کا ایک تنہا
مقام پر ہونا شاہزادی کی حیرت کا باعث ہوا۔ قافلہ رکوایا گیا۔ اور اس نے
دیکھنا چاہا کہ یہ لڑکی کیا کرتی ہے۔ ہندو لڑکی نے ایک چھوٹا سا گھی کا
چراغ روشن کیا اور اُسے ایک تھالی میں رکھ کر پھولوں کے ہار سے
سجایا۔ اس کے بعد کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے اس کو دریا کی لہروں کے
سپرد کر کے بیم و رجا کی تصویر بنی ہوئی اس کی روانی کو دیکھتی رہی۔ شاہی
قافلے کی شوکت و حشمت بھی اس لڑکی کی توجہ اپنی طرف مائل نہ کر سکی،
جس سے لالہ رخ بے حد متحیر اور متعجب ہوئی۔ خدام بارگاہ میں سے
ایک شخص نے، جو دریائے گنگ کے کسی ساحلی مقام کا باشندہ تھا
شاہزادی کے سامنے آکر بیان کیا کہ ہندو عورتوں میں یہ فال لینے کی
ایک رسم ہے جو کسی عزیز کی مراجعت وطن یا اُس کی خیر و عافیت کے
متعلق اپنے شکوک و اوہام رفع کرنے کے لئے عمل میں لائی جاتی ہے
گنگا کے کناروں پر جہاں ہندو عورتیں اور لڑکیاں اس طرح شگون لیتی
ہیں، یہ نظارہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے۔ اگر چراغ گل ہو جائے یا ڈوب
جائے تو اس کو شگون بد سمجھا جاتا ہے لیکن اگر وہ چراغ روشن رہ کر

بہتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو جائے تو پردیسی پریمی کی صحت اور واپسی یقینی سمجھی جاتی ہے۔

قافلہ روانہ ہو گیا، مگر لالہ رُخ بار بار مڑ کر ہندو دوشیزہ کی شمعِ تفاؤل کو دیکھتی رہی، اور جب آخری مرتبہ بھی اُس نے چراغ کو روشن دیکھا، تو اس خوش فالی سے نہایت خوش ہوئی، کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ اس چراغ کی حفاظت پر ایک دوشیزہ کی زندگی کا انحصار ہے اور محسوس کر رہی تھی کہ اس لڑکی کی اُمیدیں بھی اتنی ہی کمزور تھیں جس قدر اس چراغ کا شعلہ! منزل کا باقی حصّہ نہایت خاموشی کے عالم میں طے ہو گیا اور قافلہ منزل پر پہنچ گیا لیکن اس وقت تک کہ شاہزادی کی بارگاہِ جمال میں فرامرز کے تارہائے رباب کی صدا پیدا نہ ہوئی، وہ اسی کے خیال میں منہمک رہی۔ آخر کار فرامرز طلب کیا گیا جس نے داستان کا باقی حصّہ یوں شروع کر دیا۔

(۶)

خلیفہ مہدی، ہر چند یونانیوں کے ساتھ معرکہ آرا ہونے کے بعد، یک گونہ خستہ ہو رہا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ اُس کی فوجیں فوراً ہی کسی جنگ میں مشغول ہو جائیں لیکن ہر وقت کی اطلاعات نے اس کے سامنے آنے والے خطرات کو ایسی صورت میں پیش کیا کہ ابن مقنع کا استیصال اس کے نزدیک ضروری ہو گیا۔ چنانچہ خلیفہ نے ان اطلاعات کے پہنچتے ہی عہد کیا کہ جب تک وہ اسلام کو اس خادعِ مدعیِ نبوت کے

فتنے سے پاک نہ کرلے گا اور جس وقت تک وہ اس گروہ مرتدین کو پسپا و منتشر نہ کرلے گا، عیش و مسرت کے خیال کو اپنے دل میں جگہ نہ دے گا۔

احکام جاری ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ پھر خلافتِ عباسیہ کے پرچم ہوا میں لہرانے کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں اور سپاہِ اسلام اپنی تمام شوکت و سطوت کے ساتھ مقنع کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو جاتی ہے کل جن میدانوں میں زندگی کی علامت مفقود تھی، آثار حیات ناپید تھے۔ آج ایک شہرِ خیام نظر آرہا ہے۔ اور عین وسط میں دربار خلافت کا قرمزی شامیانہ قائم ہے۔

اس اجتماع سے شور و غل اور قہقہوں کی صدائیں بلند ہو ہو کر ہوا میں ملتی ہیں۔ کبھی فوج کے گھوڑوں کی ہنہنانے کی آوازیں ہیں تو کبھی ساربانوں کی صدائیں سننے میں آجاتی ہیں، کبھی طبل جنگ کی موسیقی بلند ہوتی ہے تو کبھی حبشیوں کی بالنسریوں کے مدہم سر سامعہ نواز ہوتے ہیں غرض لشکرِ خلافت عجیب غریب نظارہ پیش کر رہا ہے اور اسلحہ و سپاہ کی شان و عظمت کی یہ نمائش اپنی قسم کی عجیب نمائش ہے اس طرف اگر لشکر اسلام، دنیا کی مختلف شجاع ترین اقوام پر مشتمل ہے تو دوسری جانب مقنع کی فوج بھی اتنی ہی تعداد میں ولایت ایران کے مشہور و منتخب جنگجو قبائل سے تیار ہوئی ہے۔ اور پیروان مقنع کے علاوہ آتش پرستارانِ فارس بھی اُس کے شریک ہو گئے ہیں۔

صفیں آراستہ ہوتی ہیں، اور حملہ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ خلیفہ مہدی اگر اسلام کو ایک فتنۂ مذہبی سے پاک کر دینے کے خیال سے مسرور اور دست بدعا ہے تو مقنع بھی سمجھ رہا ہے کہ آج یا تو تمام عالم اس کے زیر نگیں ہوا جاتا ہے یا اس کی کارگاہ مذہب و تبلیغ ہمیشہ کے لئے ختم!

ایک جانب خلیفہ، اسلام اپنے لشکر کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے"۔ بڑھے چلو، حق و صداقت کے علم دارو! مرنے والوں کو شہادت، اور فاتحین کے لئے غازی کا درجہ ہے!" دوسری سمت مقنع پکار رہا ہے، "بڑھے چلو، انتقام کے حامی بہادرو! بڑھے چلو! نامردوں اور گمراہوں کے لئے شیطان کی غلامی اور بندگی!" لڑائی پوری قوت کے ساتھ ہو رہی ہے، اور ایک سخت مقابلے کے بعد سپاہِ خلافت کے پانوں اکھڑ جاتے ہیں۔

مقنع، خود خلیفہ کے پرچم شب رنگ کو اٹھا لیتا اور اس یقین سے کہ اب مشرقِ اعظم اس کی ملکیت ہے۔ فخر و مباہات سے معمور ہو جاتا ہے ہنوز وہ اس مسرت کے خیال سے کافی بہرہ اندوز نہیں ہونے پاتا ہے، کہ شورِ حرب میں ایک غیر معمولی تبدیلی نظر آتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ یکایک شکست خوردہ فوجِ اسلام کو کوئی روک دیتا ہے۔ وہ فوج پلٹ پڑتی اور ایک ناقابلِ مدافعت ہجوم کر کے حملہ آور ہو جاتی ہے! اس حملہ کا سپہ سالار اس وقت ایک نوجوان ہے جو اپنی صورت کے لحاظ سے ایک فرشتۂ آسمانی معلوم ہوتا ہے، اور شہامت کے آثار و علائم،

جو اس کے لبشرے کا جزو مستقل نظر آتے ہیں اس کی رونئیں تن ہونے کا یقین دلا رہے ہیں۔ اس کا حملہ اس قدر سخت ہوتا ہے کہ مقنع کی فاتح فوج پسپا ہونے لگتی ہے۔ ہر ہر قدم، جو آگے اٹھتا ہے، اس سپہ سالار کے چہرے میں امید و جرأت کی رنگینیاں بڑھتی جاتی ہیں، اور ہر لمحے میں اُسے اپنی فتح کا یقین ہو رہا ہے۔ مقنع میدان کارزار کے وسط میں کھڑا ہے اور ہر چند کوشش کرتا ہے، مگر اس کی فوج، بادلوں کے ان ٹکڑوں کی طرح، جو دھندلے چاند کو تنہا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، بھاگی جا رہی ہے۔ وہ پکارتا ہے، مگر کوئی نہیں سنتا، وہ لعنتوں کی بارش کرتا ہے، ملامتوں کا دریا بہاتا ہے مگر کوئی کان نہیں دھرتا اور آخر کار ہزیمت خوردہ مقنع خود بھی جائے پناہ کی تلاش کرنے لگتا ہے، فوج اسلام میں معجزہ، کا شور مچ جاتا ہے۔ ہر متنفس کی نظریں نوجوان سپہ سالار پر جم جاتی ہیں، مگر وہ ہے کہ اُسے اس دنیائے حیرت و استعجاب کی پرواہ بھی نہیں اور مقنع کے تعاقب میں بدحواس ہے اور بے چین و مضطرب ہے۔ مقنع کی پسپا فوج کے سپاہی اس کی تلوار کی زد میں ہیں، مگر ان پر اس کا ہاتھ نہیں اٹھتا، اور اس کے غصہ و غضب کا آتش فشاں مادہ صرف ایک مقنع کی ملعون ہستی کے لئے محفوظ ہے۔ لیکن باوجود سعی و جستجو وہ مقنع کو نہیں پاتا۔

باوجودیکہ مقنع کی فطرت درشت کے لئے فرار اختیار کرنا ناروا سا تھا، مگر وہ اپنی فوج کے ہجوم میں کچھ اس طرح گھرا ہوا ہے کہ وہ اپنے

تنئیں اس رجعت قہقہری کے سیل میں قائم نہیں رکھ سکا، اور سب کے ساتھ بھاگنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ تاہم وہ اپنے غم و غصّہ میں بلا تحقیق دوست و دشمن سیف آزمائی میں مصروف ہے۔ آخر کار اللہ اکبر کی تکبیریں بلند ہوتی ہیں، اور فتحمند خلیفہ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ عسکر خلافت نے فتح پائی، اور مقنّع مفرور ہو گیا۔ جشن نصرت میں تمام لوگ حصّہ لیتے ہیں، بازار اور راستے زرین بنا دیئے جاتے ہیں معبد منور کر دیئے گئے ہیں، اور ہر طرف چراغاں ہو رہا ہے، مگر اس تمام شادمانی و نصرت میں، اس تمام ہجوم و انبوہ میں ایک جذبہ اور بھی ہے جو باقی تمام جذبات سے قوی اور شدید ہے، اور وہ جذبہ رشک ہے عظیم تخت خلافت کے روبرو پیش ہوتا ہے۔ خلیفہ اسلام احسان و پذیرائی کی تصویر بنا ہوا اس کے ادائے آداب پر متبسم ہوتا ہے اس کا نام ہزاروں زبانوں کا وظیفہ ہو جاتا ہے۔ اور لوگ اس کا نام لے لے کر مسرت و شادمانی کے نعرے بلند کرتے ہیں۔ مگر خود عظیم پر کوئی اثر نہیں وہ اسی طرح بے پروا و بے تعلق نظر آتا ہے جس طرح قبل از جنگ دنیا نے اُسے دیکھا تھا، اور وہ اسی قدر مغموم و مکدّر پایا جاتا ہے!

بد نصیب عظیم! تیرا رنج وہ رنج ہے، جسے نصرت و فتحمندی کی مسرتیں بھی زائل نہیں کر سکتیں۔ تیرا غم وہ غم ہے جسے ایسی صدہا فتوحات بھی دفع نہیں کر سکتیں۔ تیرا الم حدِ اُمید سے گزر گیا ہے منتہائے

چارہ سازی اس کے بہت پیچھے اور تدبیر و علاج کی رسائی وہاں تک نہیں ہوسکتی۔ وہ ایک تاریکی ہے۔ ایک بار و سکون ہے جس کو کوئی قوت روشن نہیں کرسکتی، دنیا میں اور بھی ایسے دن گزرے ہیں جن پر غم و اندوہ نے آہستہ آہستہ قبضہ کیا، مگر تیرے اوپر تو اے شباب محزوں کوہ غم دفعتاً ٹوٹ پڑا، اور اُس حالت میں جب کہ ہر چیز تیری چشم شوق کے سامنے لطف و مسرت کا لباس پہن کر جلوہ آرا تھی! آرزوئیں اور امیدیں تیرے سامنے مسکرا رہی تھیں! ماضی نے عیش حال کا قالب اختیار کر لیا تھا! ٹھیک اسی وقت غم کا کوہ آتش فشاں پھٹ پڑا اور تیری آرزوؤں کو تودۂ خاکستر بنا دیا گیا! جذبات کے نشو و نما کو پامال کر گیا۔ گویا کسی فوارے کے قطرے تھے جو حسیت و صعود سے قبل تو منجمد نظر آتے ہیں، لیکن اوپر پہنچ کر کچھ نہیں رہتے مگر آوارگی و انتشار، اور فرش پر گر جانے کے بعد صرف ایک سیل بیکار!

عظیم کے قلب و جگر میں اب کچھ باقی نہیں، اُس کے خون میں کوئی حرارت نہیں، مگر انتقام! اس کی نبض کی حرارت اب صرف اسی ایک خیال پر منحصر ہے، جس کے سہارے وہ زندہ ہے۔ وہ اس ذات سے، جس نے اس کی ہستی اور محبت کو تباہ کر دیا ہے، ایک سخت انتقام لینا چاہتا ہے چنانچہ یہی جذبہ تھا کہ جب اس نے خلیفہ کے لشکر کشی کی خبر پائی تو ایک شکاری باز کی طرح میدان حرب میں جھپٹ کر پہنچا، کہ مقنع سے بدلہ لے، جس وقت لشکر اسلام کے لئے کوئی امید

باقی نہ رہ گئی تھی، تو غظیم نے اپنے آپ کو اس آگ میں جھونک دیا، اور ایک عالم کو فنا ہونے سے بچا لیا، اور انتقام ہی کے لئے وہ اس وقت بھی فخر و مباہات، عزت و عظمت کے خیال سے بے پروا نظر آتا ہے۔ اب اگر کوئی خیال اس کی تنفس کی آمد و شد کا تنہا سہارا ہے تو صرف یہ کہ کسی طرح وہ برقِ سوزندہ کی ایک تڑپ بن جائے انتقام لے، اور افسردہ ہو جائے!

مقنع ایک مختصر گروہ کے ساتھ جیحوں کو عبور کر کے مرو جا پہنچا ہے اور اپنے گم کردہ تختِ عظمت پر آخری بازنگاہ حسرت ڈال کر نخشب میں مستحکم ہو جاتا اور اپنا سفید پرچم بلند کر کے پراگندہ جماعت کو فراہم کرتا اور متعاقب فاتحین کا انتظام کرتا ہے۔

مقنع اپنے غنچہ زارِ شعریت و موسیقیت کی تمام شیرینی میں صرف ایک ہی ہستی کو منتخب کر کے اپنے ساتھ لایا تھا، اور وہ ہستی بدنصیب زلیخا کی تھی۔ اس کا یہ انتخاب حسن جمال کی بنا پر نہ تھا کیونکہ وہ تو اب اس کلی کی طرح تھی، جو شام کی اداسی میں شاخ سے گر کر مرجھا گئی ہو، اور نہ یہ نگاہِ انتخاب بر بنائے محبت تھی، کیونکہ مقنع کے خارزارِ دل میں اس پاک جذبے کا پایا جانا محال تھا، بلکہ زلیخا اس کا شکار تھی، اور یہی سبب اس کے منتخب ہونے کا تھا۔

رات نے تمام عالم کو تاریک بنا دیا ہے، اور سامنے کے وسیع میدانوں میں چراغاں کا سماں پیش نظر ہے، گویا برسات میں کوئی گنج باغ سامنے کر دیا گیا ہے، جہاں بے شمار جگنو منتشر ہیں۔ ان روشنیوں کے سامنے

حملہ آور کا کیمپ روشن ہے، جس کی قناتوں اور خیموں کا وسیع و طویل سِلسلہ منتہائے اُفق تک چلا گیا ہے۔ مقنّع اس شہرِ خیام کو دیکھتا ہے اور یہ خیال کر کے کہ ہر چند میری قوت ایک حد تک پامال ہو چکی ہے، پھر بھی مجھ سے عہدہ برآ ہونے کے لئے لاکھوں کا لشکر درکار ہے مسکرا دیتا اور سوچنے لگتا ہے۔

"اس شیطان کی مدد سے جس نے شاہِ اسیر یا کی عظیم الشان فوج کو آنِ واحد میں تباہ کر دیا، میں اس لشکر کو بھی مٹا دوں گا اور آج رات کو دوزخ کے تمام گڑھے اس فوج سے بھر دیئے جائیں گے۔ انجام کار تخت کا مالک پیغمبر ہو یا خلیفہ، بہر حال اس نوعِ انسان کو تباہ ہونا ہے اور میں اس نفرت انگیز دنیا کو مظلومیت کی چیخ پکار سے آباد دیکھ سکوں گا!"

مقنّع اس طرح اپنے خبثِ باطن کو تسلی دے کر، اس مختصر جماعت پر نظر ڈالتا ہے جو اس کے گرد موجود ہے، اور اس سے مخاطب ہوتا ہے۔

"اُس آسمانی نور کے محافظو جس کی روشنی نہ تو خون کے سمندروں سے ماند پڑ سکتی ہے، اور نہ دنیا کی کوئی اور چیز اُسے دھندلا کر سکتی ہے، یاد رکھو کہ اُس کی تابش کے سامنے دیہیم اکاسرہ اور جواہر آبدار اسی طرح افسردہ ہو جاتے ہیں جس طرح طلوع سحر کے وقت آسمان پر ستارے، میرے بہادرو، خوش ہو جاؤ کہ کامیابی ہمارے سامنے ہے، اور

فتح وظفر ہماری کنیز! لوح مقدس پر، جسے فرشتوں
کے سوا کوئی نہیں دیکھ سکتا، یہ پیشین گوئی ثبت ہو چکی
ہے کہ جس وقت نخشب کے چاہ مقدس سے چاند
طلوع کرے گا، اسلام کی حشمت کا شیرازہ منتشر ہو جائیگا
اوپر نظریں اٹھاؤ اور دیکھو!"

پیروان مقنع نے اس جملے کے ساتھ ہی نگاہیں اٹھائیں، اور ایک عجیب وغریب روشنی کا طوفان چھایا ہوا دیکھا! چاہ نخشب سے ایک پورا چاند طلوع کر کے عروج پر پہنچتا ہے اور تمام آبادی و ویرانہ منور ہو جاتا ہے! تمام لوگ اس ساحرانہ نمائش سے مبہوت ومرعوب ہو کر سجدے میں جھک جاتے اور سمجھتے ہیں کہ چاند ان کی ہزیمت پر رحم کھا کر آئندہ جنگ میں ان کی امداد کے لئے نیچے اتر آیا ہے! یہودیوں نے دیکھا اور یقین کر لیا، کہ یہی وہ نور ہے جو موسیٰ کے لئے ظاہر ہوا تھا، اور اب امت موسوی کی سلاسل غلامی کو توڑنے کے لئے روشن ہوا ہے۔

سارا گروہ ہم آہنگ ہو کر نعرۂ فتح بلند کرتا ہے۔ مقنع جو موقع کا انتخاب کرنے میں کامل ہے فوراً شہر کے دروازے کھول دیتا اور مہدی کے لشکر پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ لشکر اسلام کا طلایہ گرد سوار، جو اپنے فرض منصبی کو فراموش کر کے اس مافوق الفطرت روشنی کے تماشے میں محو ہو گیا تھا اپنے تئیں آہنی بازوؤں کی غیر متوقع گرفت میں پاتا ہے

اور اس کی خوفناک چیخ کے ذریعے سے لشکرِ اسلام کو حملے کی اطلاع ہو جاتی ہے۔

"بڑھے چلو بہادرو! اس روشنی کی سمت بڑھو، جو سامنے سرا پردہ شاہی کو نمایاں کر رہی ہے۔ اپنی تلواروں کو ادنیٰ درجہ کے خون سے بے آب نہ کرو، خلیفہ تو اس قنات کے اندر مصروفِ راحت ہے وہ نیزہ خوش نصیب ہے جس کا صرف ایک وار اس کی حیات کو قطع کر سکے!"

تلوار کے مقابلے میں تلوار اور نیزہ کے جواب میں نیزہ، بلند ہونا شروع ہو جاتا ہے اور کیمپ کی تیز روشنیوں میں سپاہِ اسلام شہد کی مکھیوں کی طرح آوازِ طبل کے ساتھ ہی اُمنڈ پڑتی ہے، اور آخر کار ساری فوج اپنی پوری قوت کے ساتھ تیار ہو کر مقابلہ آرا ہو جاتی ہے حملہ آور کو مجبور ہو کر پھر راہ نخشب اختیار کرنا پڑتی ہے۔ مقنع کا، نقرئی نقاب اس ہنگامے میں کبھی کبھی اس طوفان زدہ کشتی کے بادبان کی طرح نظر آ جاتا ہے جسے وقتاً فوقتاً طوفان ہی کی خفیف اور دُھندلی روشنی نمایاں کر دیتی ہے۔

لیکن کیا اس مغرور ہستی کا پندار بالکل پامال ہو گیا ہے؟ کیا اس کے ابرو کے مغرور خم کو سیدھا اور اس کی ختم نہ ہونے والی جراتوں کو ضعیف کر دیا گیا ہے؟ نہیں، ہر چند وہ بدنصیب، جن کو شبِ گذشتہ اس نے فتح کامرانی کا یقین کرا دیا تھا، نصف کے قریب تہ تیغ ہو چکے ہیں، لیکن اس وقت پھر وہ سب کو حکومت و عزت حاصل ہونے کا

یقین دلا رہا ہے، اور وہ ہیں کہ اب بھی اس کی باتوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ ایک عاشق ان نگاہوں کی طرف سے جنہوں نے اُس کا دل چرا لیا ہے بے اعتبار ہو سکتا ہے، ایک بچہ آسمان پر قوس قزح کے ساتھ کھیلنے کا خیال بھلا دے سکتا ہے، ایک کیمیا گر اپنے بنائے ہوئے سونے پر شک کر سکتا ہے، لیکن اعتقاد، جب ایک دفعہ قائم ہو جاتا ہے تو پھر متزلزل نہیں ہوتا، اور اس کا استحکام ایک طلسمی صورت اختیار کر لیتا ہے!

خراسانی خادع تالیف قلوب کے ان تمام طریقوں کا ماہر تھا جو صرف عزازیل ہی کو معلوم ہیں، اور اس لئے وہ آخر وقت تک ہمت نہیں ہارا، اور اپنی تمام تدابیر کے دوران میں اُس نے زلیخا کو فراموش نہیں ہونے دیا۔

بدنصیب زلیخا! اگر فہم و ادراک تیرے دماغ میں یکسر خوابیدہ نہ ہو جائے تو وہ خوفناک مناظر جو اس وقت گزر رہے ہیں ایسے تھے کہ تو ان کا نصف حصہ بھی برداشت کرنے کے لئے زندہ نہ رہ سکتی، اور موت کا فرشتہ تیری روح کو مقام موعود پر پہنچا دیتا۔ لیکن ایسا نہ ہوا، کیونکہ تیرے خیال پر بلکہ خود زندگی پر ایک قسم کا شک، ایک تعطل، ایک بے حسی (اس خوفناک رات کے بعد سے، جب کہ تجھے ایک سخت روحانی جدوجہد کرنا پڑی تھی) طاری ہے۔ اور اُس وقت سے تیرے امن و راحت کی آخری اُمید بھی تیرے پاس سے رخصت ہو گئی ہے۔ اگرچہ کبھی کبھی رشتۂ

جنون نمودار ہونے کے لئے ایک ناکام کوشش کر رہا ہے، جیسے کوہ آتش فشاں اپنے اندر سے رقیق مادہ کو وقتاً فوقتاً لہروں کے ذریعے سے باہر نکال کر پھینک دینے کے لئے آمادہ رہتا ہے، لیکن تو اس وقت بھی تعطل و بے حسی کی تصویر بنی رہی!

مقنع کے حکم سے، زلیخا آج پھر اُسی شانِ رعنائی سے سنواری جاتی ہے اور اُس کے پسماندہ مریدوں میں جوش عقیدت بڑھانے کیلئے لائی جانے والی ہے، گویا وہ ایک ایسی دوشیزہ جمیل تھی جیسے مصر بان قدیم دلکش انداز میں بنا سجا کر دریائے نیل پر قربانی چڑھایا کرتے تھے۔ زلیخا اپنی قربان گاہ پر جانے سے قبل سر نیچا کئے کھڑی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ آذرستان یونان کا کوئی بت ہے جس میں خون کی جگہ رنج و الم کا گہرا رنگ بھر دیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ مقنع کی فتنہ سازیوں کا خزانہ اب خالی ہونے والا تھا، طلوعِ ماہ کا معجزہ اس کے کید عظیم کا آخری حربہ تھا، اور زلیخا کے ذریعے سے بھی وہ اب کسی کامیابی کا متوقع نہ ہو سکتا تھا، اس لئے اب مایوسی کی تاریکیاں اُس پر غالب ہو گئیں، اور بے چین ہو کر وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ محاصرین نے آگ کے شعلوں سے حملہ کیا، اور رات کی تاریکی میں آتشبازی شروع ہو گئی۔

اس طریقۂ جنگ سے رات کے تھوڑے حصے میں ہزاروں جانیں تلف ہو جاتی ہیں، اور ان مقتولین آتش کی چیخوں سے ساری فضا نالۂ و

و فغاں سے معمور ہو جاتی ہے۔ شہر اور آبادی کی حسین ترین عمارتیں اور اُن کی دلکش آرائشیں نذر آتش ہو رہی ہیں۔

ہر چند اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ اب دُنیا میں کوئی جائے پناہ نہیں رہ گئی ہے، لیکن اپنی مستقبل بے غیرتی کے ساتھ مریدوں سے کہتا ہے۔

"ہر چند قدرت نے ہماری جماعت کو قلیل و مختصر کر دیا ہے اور اُن لوگوں کو ہم سے چھین لیا ہے جو اس کی روشنیوں کے چمکانے کا سبب تھے، تاہم ہمیں بادشاہوں اور سلطنتوں کو تباہ کرنا ہے! کیا تم نے قدرت پر اعتماد رکھنا چھوڑ دیا ہے، اس قدرت پر جو تمہاری روشنی اور تمہارا ستارا ہے؟ کیا تم یہ یقین نہیں کرتے کہ تمہارے پیغمبر کی نگاہوں میں آسمانی بجلیاں چھپی ہوئی ہیں اور وہ چشم زدن میں اس حملہ آور فوج کو جلا کر خاکستر کر سکتا ہے؟ یاد رکھو کہ وہ بجلیاں جو اس وقت تک مستور تھیں، اب دُنیا اُن کا تماشہ کرے گی! اور آج کی شب میرے برگزیدہ مریدو! تمہاری خستہ و درماندہ روحوں کے لئے وہ سامانِ کل و شرب مہیا کیا جائیگا جو کرّوبیانِ عرش کی غذا ہے، جو تمہارے اندر تمہاری روحوں کو نئی زندگی سے معمور کر دے گا! تمہارے واسطے بادۂ احمر فراہم کیا جائے گا جو سیہ چشم حورانِ بہشت صرف اپنی محبوب

ندیموں کو پلایا کرتی ہیں! اور تمہاری مسرتوں کیلئے
آج کی شب تمہارا پیغمبر اپنے تجلی بار چہرے سے نقاب
کو جدا کر دیگا!"

مقنع کا ایک ایک لفظ جماعت پر سحر کا سا کام کرتا ہے اور یہ لوگ پھر ایک نئی طاقت عمل سے لبریز نظر آتے ہیں لیکن اُن کی یہ حیاتِ تازہ ایک سراب زندگی ہے جس طرح دم نزع کوئی شخص سنبھالا لے، اور ایک شربت کا گھونٹ لیکر ختم ہو جائے۔ وہ اپنے نیزوں اور تلواروں کو جوشِ مسرت میں بلند کر کے "آج کی رات!" کا نعرہ لگاتے ہیں۔ مقنع بھی اُن کا ہم آہنگ ہوتا ہے، مگر اس کی آواز سے جوش و خروش معدوم ہے، اور اس کا دل اندر ہی اندر بیٹھا جا رہا ہے۔ دنیا نے اِن صید ہائے فریب خوردہ کی مسرتوں سے زیادہ المناک شاید ہی کوئی مجلسِ عزا دیکھی ہو،

رات نصف سے زیادہ گزر جاتی ہے، اور سرخوشانہ مگر بے نتیجہ نعروں کی ہنگامہ آرائی کے بعد ایک خوفناک سکوت طاری ہو جاتا ہے زلیخا ویرانی دل کی سوگوار زلیخا، مکان کے دوسرے حصے میں متفکر و متامل ہے۔ کہ ایک غلام، مقنع کی طرف سے پیغام طلب لیکر آتا ہے وہ اپنے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے اس پیغام کو سناتا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کا رنگ سیاہی مائل ہو جاتا اور اس سے قبل کہ وہ پیغام کے الفاظ کو دوہرا سکے، زلیخا کے قدموں پر مردہ ہو کر گر پڑتا ہے، اور

زلیخا سر سے پاؤں تک لرز جاتی ہے۔

ساری فضا خاموش ہوگئی تھی حتیٰ کہ دشمنوں کے کیمپ سے بھی کوئی صدا نہیں آرہی تھی اس کو سکونِ مطلق میں زلیخا مقامِ جشن کی سمت روانہ ہوتی ہے، لیکن پھر دفعتاً ٹھہر جاتی ہے، اور اپنے سامعہ کو ایک طرف متوجہ کردیتی ہے!

آہ! یہ مقنع کے قہقہے کی آواز تھی مگر اس ہنسی کی آواز کے بعد ہی ایک اور نہایت خوفزدہ آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ کیا یہ صدائیں محفلِ عیش اور مقامِ جشن سے آسکتی ہیں؟ وہ اندر داخل ہو جاتی اور ایک مکروہ منظر دیکھتی ہے۔ زردی مائل نمودِ صبح کی روشنی، شمعوں کی سفید و مضمحل روشنی سے مل کر زلیخا کے سامنے یہ منظر پیش کر رہی ہے کہ محفل کا نفیس فرش ابتر ہے بخوردان آخری سانسیں لے رہے ہیں۔ پھولوں کے شکستہ ہار بکھرے ہوئے ہیں، صراحیاں اور پیمانے جو سنہری شرابوں سے بھر بھر کر نہایت حریصانہ طریقے پر خالی کئے گئے تھے۔ جا بجا اوندھے پڑے ہیں! یہ سوال فضول ہے کہ وہ کس قسم کے جرعوں سے لبریز تھے، کہ اُس کے آثار سے تو اس مقام کا ہر حصہ معمور ہے! جشن کے ہر مہمان کا چہرہ یا تو سیاہ ہو کر سینے کی طرف جھک گیا ہے، یا آسمان کی بلوریں صباحتوں کو دیکھنا کا دیکھنا رہ گیا ہے! بعض اوقات جو درحقیقت بہادر تھے اور میدان جنگ میں اپنے پیغمبر کے پہلو بہ پہلو نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ موت کا خیر مقدم کرنے کو تیار و آمادہ تھے، اس وقت بے حس و حرکت

ہو کر رہ گئے ہیں! مگر اُن کی حالت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس عیاری و مکاری سے وہ دم واپسیں واقف ہو گئے تھے اور یہی وجہ ہے کہ جذبۂ انتقام اُن کی آنکھوں میں قائم ہو کر رہ گیا ہے!

مقنع کا نقاب اُلٹا ہوا ہے تاکہ رہروانِ جہنم کی کی آخری نگاہیں اچھی طرح سیراب ہو لیں وہ اس کی شکل میں اُس تجلی موعود کو نہیں پاتے، جس کی برق وشی دشمنوں کی جمعیت عظیم کو آنِ واحد میں خاکستر کر دینوالی تھی! بلکہ وہ ایک صورت دیکھتے ہیں، جس کے سامنے عفریت جہنم، اور غول بیابانی بھی خوش منظر و خوبصورت کہے جا سکتے ہیں مقنع بعض ہلاک شدہ اور بعض نیم جان فدائیاں مذہب کو مخاطب کر کے کہتا ہے:۔

"عاقلانِ برگزیدہ! اپنا ستارہ اپنی روشنی دیکھ لو، تم کسی نہ کسی کا حیلہ کار اور شکار ہونے کے لیے مخلوق ہوئے تھے کیا یہ کافی نہیں؟ اور کیا یہ ضروری ہے کہ میں وہ آخری ذرۂ زندگی بھی جو تمہارے پاس باقی رہ گیا ہے تم سے چھین لوں؟ تمہیں معلوم ہے کہ یہ مرگِ ہیبت جو تمہارے اندر اس وقت شعلہ زن ہے وہ بیخودی کا وہ درجہ ہے جہاں سے برکاتِ سماوی شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ مکر وہ صورت جس سے زیادہ بد ہیبت شکل کبھی بھی ذلیل نسل انسانی کی تحقیر کا باعث نہیں ہوئی۔ خود قدرت کی وضع کردہ اور پسندیدہ ہے!

افسوس میری تبریک وتہنیت نصف بھی بیان نہ ہونے پائی تھی کہ یہ ناشائستہ روحیں پرواز کر گئیں! اچھا نیک رہو، الوداع!

آہا، میری نوجوان عروس! بہتر ہوا کہ تو آ گئی معلوم ہوتا ہے کہ تو نے اس سے قبل مردوں کو کبھی نہیں دیکھا کیونکہ تو کانپ رہی ہے نہیں؟ تو تو ان کو دیکھ چکی ہے میری پیاری! انہوں نے تو ہمارے عقد کی رسم ادا کی تھی۔ آج میرے ان مہمانوں نے اپنے رخصتی جام خوب لبریز کئے اور لازمی ہے کہ تو بھی ایک پیالہ شراب پر تجدید عہد کرے گی مگر یہ کیا ہے؟ یہاں تو شراب کا ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہا! تمام ظروف خالی پڑے ہیں! میری نوجوان محبوبہ! تجھ سے قبل یہاں حریفوں کا مجمع تھا، اور انہوں نے ایک قطرۂ شراب بھی باقی نہیں چھوڑا، لیکن ذرا ٹھہر! ایک قطرہ باقی رہ گیا ہے۔ وہ اس قدر کیف پرور ضرور ہوگا! کہ ایک نازک پیغمبرہ کے خون کو حرارت میں لے آئے، لے، پی جا! اور اگر تیرے عاشق کا دست نصرت اس مقام تک دراز ہو سکے اور اس وقت تک تیرے لبوں کا جذب وکشش زائل نہ ہو جائے تو اپنے ایک بوسے کے ذریعے سے اس کا

نصف زہر اس کو پہنچا دیجیو۔ کیونکہ اس صورت میں مجھے اپنے رقیب کی یہ خوش نصیبی و عشرت پذیری کہ وہ تیرا بوسہ لے، گوارا ہو سکتی ہے، اور میں اس کی اس جرأت کو نظر انداز کروں گا!

" مجھے اب خود بھی فنا ہو جانا ہے، لیکن میں ان پست و ذلیل لوگوں کی طرح فضا کو متعفن نہیں کرنا چاہتا کہ میری لاش کی ذلت کی جائے، اور جب میں دفن کیا جاؤں تو دنیا طعن کرے کہ یہ ہے وہ جو پیغمبری یا خدائی کا مدعی تھا! میں شعلوں میں اپنے تئیں جلا کر خاکستر کر دوں گا کیونکہ وہ ایک غسل نور ہوگا جو پیغمبروں کے لئے موزوں ہے! اس سے قبل کہ مجھے یہ بھڑکتے شعلے راکھ کی صورت میں بدل دیں، تیری نبضیں بھی ساقط ہو چکی ہونگی میں یہ نہیں چاہتا کہ ایک متنفس بھی ایسا باقی نہ رہے جو میرے بعد دنیا کو اطلاع دے سکے کہ مقنع کہاں گیا میں یہ چاہتا ہوں کہ میری منتشر امت جو اس وقت نہ معلوم کہاں کہاں پریشان ہے، دنیا کے سامنے کہہ سکے کہ پیغمبر آسمانی تو آسمانوں سے آیا تھا اور آسمان ہی کی سمت چلا گیا، اور صرف اس لئے روپوش ہوا کہ ایک روشن اور بے نقاب تبسم کے ساتھ دنیا میں

پھر پہنچایا جائے دنیا اپنی خوش اعتقادی سے میرے
نام کی عبادت گاہیں قائم کرے گی جہاں چالاک و
حیلہ جو لوگ مجاوری کریں گے، اور اس طرح میں مر کر بھی
اس نسل انسانی سے انتقام لیتا رہوں گا!

"اب وقت باقی نہیں ہے، دیکھ کہ مجھ جیسا بدکردار
کیونکر ایک معبود بن سکتا ہے!"

مقنعؔ کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے آخری جملوں کیساتھ
ساتھ اپنے تئیں آگ کے شعلوں کے سپرد کر دیتا ہے اور
زلیخا تنہا رہ جاتی ہے۔

صبح نمودار ہوتی ہے اور محاصرین شہر کی دیوار پر حملہ کرتے ہیں یہاں تک کہ دیوار میں ایک چھوٹا سا راستہ پیدا ہو جاتا ہے۔ عظیم فوج کے بڑے حصہؔ کو لے کر اندر داخل ہو جاتا ہے۔ ہر چند کہ خلیفہ مہدی کو اس طرح داخل ہو جانے میں تامل ہوتا ہے۔ شہر کے راستے قطعاً ویران ہیں، یکسر خاموشی طاری ہے، وجود اور عدم کا ثبوت ہر ہر قدم پر نظر آ رہا ہے، تمام سپاہ اسلام حیران و سرگشتہ ہے کہ سامنے سے ایک نقاب پوش ہستی نمودار ہوتی ہے۔ اور "وہی ہے" کا شور مچ جاتا ہے! "مقنعؔ اور تنہا!" کا غل بپا ہو جاتا ہے۔ اس کو دیکھتے ہی عظیمؔ، خلیفہؔ کی رکاب پکڑ لیتا اور کہتا ہے! خلیفۃ المسلمین، یہ میرا حصہؔ ہے اس شیطان مجسمؔ کو میرے سوا کوئی قتل نہ کرنے پائے حضور سے میری

یہی ایک التجا ہے!" خلیفہ اس درخواست کو منظور کر لیتا ہے اور عظیم نہایت جوش کے ساتھ نقاب پوش کی جانب بڑھتا ہے جیسے ہی وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہوتے ہیں۔ عظیم کا نیزہ اس کے سینے میں تیر جاتا ہے۔ نقاب سر کتا اور چہرہ کھل جاتا ہے! اور عظیم مقنع کے بجائے جمالِ زلیخا کا نظارہ کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس کا خونِ حیات بہا جا رہا ہے، اور اپنے رعشہ ناک ہاتھوں سے اُسے اٹھا لیتا ہے، زلیخا کہتی ہے:—

"آہ عظیم! میرے پیارے! میں نے یہ خیال ہرگز نہیں کیا تھا کہ اس ادائے فرض کی تکلیف تم کو دوں! تمہاری موجودگی میں اس طرح کی موت آنا، ہرچند کہ بے شمار لذات و برکات کا موجب ہے۔ اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم باوجود میری نااہلی کے مجھے اُن سے محروم نہ کرنا چاہو گے! کاش تم جان سکتے کہ میں نے کتنی بار خدا کی درگاہ میں یہ تمنا کی ہے کہ میری موت تمہاری موجودگی میں آئے! ملعون مقنع کا زہر اس قدر قلیل تھا، کہ اس کا اثر اب تک نہ ہو سکا اسی لئے میں نے چاہا، کہ اس کا نقاب پہن لوں تاکہ فوراً ہی صدہا تلواریں میرے اوپر برسنے لگیں اور میں چشم زدن میں اس کرب سے نجات پا جاؤں۔ شکر ہے کہ اس وقت وہ تمام ظلمت

و تاریکی، مایوسی و بے چارگی، جو میری آوارہ روح کی
انیس تھی، نہایت آسانی سے رفع ہوتی جا رہی ہے۔
تمہاری نگاہ لطف کی روشنی میرے اُوپر اس طرح
نازل ہو رہی ہے جس طرح رحمت خداوندی کی اولین
نمود صبح! اور اگر تمہارے پیارے لبوں سے میں یہ
سُن سکوں کہ تم نے مجھے معاف کر دیا، تو میں فرشتوں
کی زبان سے بھی یہ الفاظ دوہراتے ہوئے سن لونگی لیکن
میرے پیارے عظیم، اف! تمہیں اپنا کہہ کر پکارنا ایک
رویائے جنت ہے! تم زندہ رہنا! میری روح کی خوشی
کے لئے زندہ رہنا! اگر تمہیں کبھی مجھ سے محبت ہوئی
تھی، اگر تمہارے لئے اپنی زلیخا سے دوسرے عالم میں
ملنا گوارا ہو سکتا ہے، تو زندہ رہنے کی کوشش کرنا
اور صبح و مسا درگاہِ خداوندی میں، جس کے حضور،
عظیم تمہارے ہونٹوں، اور دل سے زیادہ پاک تر ہونٹوں
اور دِل نے کبھی دُعا نہ مانگی ہوگی، میرے لئے دعائے
مغفرت کرنا! شاید اس کی رحمت سے، اس لئے کہ تم
طلب عفو کرو گے، اور اس لئے کہ میرے دِل میں تمہاری
محبت ہے، مجھ پر عنایت ایزدی ہو جائے!
ان باغوں اور مرغزاروں میں جانا جہاں آول آول دو دل

ایک دوسرے میں جذب ہو گئے تھے! اُس فضا میں صبا کا ہر جھونکا، وہاں کے ناقابلِ فراموش پھولوں پر سے گزرتا ہوا تمہاری روح کے لئے پھر وہی شیریں اور معصوم ساعتیں پیش کر دے گا، اور ممکن ہے کہ تمہارے دِل میں بدنصیب زلیخا کے لئے پھر وہی جذبات پیدا ہو جائیں! شبنم کے اُن قطراتِ عشق سرشت کی طرح جو جلوۂ خورشید کے عکس فگن ہوتے ہی جو سما میں جذب ہو جاتے ہیں، تمہاری دعائیں بھی محبت کی تمام خوشبوؤں کے ساتھ عرش تک پہنچیں گی اور اگر....... لیکن اب میرے حواس ساتھ نہیں دیتے اُف، ایک لمحہ .... اور اگر تمہاری دعائیں مقبول ہوئیں، اور اگر مغفور روحیں اس دنیا میں اس لئے آسکتی ہیں کہ وہ اپنی راحتوں اور مسرتوں کا اظہار ان پر کر سکیں جن کے ساتھ اُن کو محبت رہی ہے، تو میں تمہارے پاس آؤں گی ایک خوابِ شیریں بن کر آؤں گی اور کہوں گی میں وہی ہوں پیارے عظیم، خدا حافظ!"

(۷)

دنیا میں کیسے ہی اہم اور سنگین حادثات اور واقعات کیوں نہ رونما ہوں، وقت کی روانی کچھ اس قدر تیز اور اس درجہ مصروف ہے

کہ اسے کوئی شے اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتی، اور کسی کے روکے رک نہیں سکتی! زلیخا کی ہلاکت کے بعد زمانہ گزرتا گیا، حتیٰ کہ عظیم نے اپنے شباب کو شیب سے بدل لیا۔

دریائے جیحون کے مصفا کناروں پر ایک بوسیدہ قبر کے پہلو میں ایک ضعیف آدمی جھکا ہوا ہے۔ آفتابِ صباحی نے مدتوں اس کے غمزدہ چہرہ پر آنکھ کھولی ہے، اور شام کے سناٹے ایک مدت سے اُسی طرح مشغول دعا دیکھ رہے ہیں! آج اس وقت بھی وہ اس فرضِ محبت کے ادا کرنے میں مصروف و محو ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ فرض اب اختتام کے قریب ہے، کیونکہ اس کے چہرے پر علاماتِ مرگ نمایاں ہیں! لیکن اس کے ساتھ، موت کی حسرتوں میں ملی ہوئی ایک شعاعِ مسرت بھی اس کی ضعیف مگر منور پیشانی پر موجزن نظر آرہی ہے، جس نے موت کو بھی حسین و پر رونق بنا دیا ہے! جس طرح شام کی اُداس تاریکیوں میں شفق کا شہابی رنگ دلکش ہوجاتا ہے، اسی طرح اس ضعیف ہستی کی چند آخری سانسیں بھی رنگینیٔ مسرت سے دمک رہی ہیں!

گذشتہ رات اُس نے زلیخا کو خواب میں دیکھا ہے جو اس سے کہہ گئی ہے کہ "رحمتِ الٰہی نے میری لغزشوں کو معاف کر دیا!" یہ مژدۂ روح فزا سُن لینے کے بعد عظیم شکرانہ نعمت میں اپنی آخری سانسوں کو صرف کر دیتا ہے، اور خود بھی زلیخا کے پہلو میں ہمیشہ

کے لئے اُلفت و مسرّت کی نیند میں غرق ہو جاتا ہے!

اتفاقاً فضل الدین پر اس سفر میں چند غیر معمولی حادثات گزر گئے سب سے پہلی بات تو یہ ہوئی کہ ڈاک رسانی کے انتظام میں کچھ ایسی ابتری پیدا ہو گئی کہ مزگانوں کے آم جو شاہی دستر خوان کے لئے روزانہ آیا کرتے تھے، وقت پر نہ پہنچ سکے اور کچھ چینی کے برتن جو نہایت نادر و بیش قیمت تھے اور قدیم شاہانِ چین کے استعمال میں رہ چکے تھے، خادموں کی غفلت سے ٹوٹ گئے۔ ان سب پر طرہ یہ ہوا کہ باورچی نے ایک دن کھانے میں بجائے سیاہ مرچ کے سُرخ مرچ ڈال دی، ان تمام اسباب کی موجودگی میں بہ آسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ فضل الدین کی تنقید کس قدر دقیق ہونا چاہیئے۔ چنانچہ حبیب ابن مقنع کا فسانہ ختم ہوا تو فضل الدین نے اپنے مرواریدی تسبیح کے دانے جلد جلد گراتے ہوئے کہا:۔

"اس نوجوان شاعر کی مثنوی کے متعلق کوئی رائے قایم کرنے اور اس پر تنقید کرنے کے لئے ضروری نظر آتا ہے کہ سب سے پہلے اس قسم کے افسانوں پر جواب تک ......"

شہزادی لالہ رُخ قطع کلام کر کے کہنے لگی "میرا خیال ہے کہ ہم اس کے مستحق نہیں ہیں کہ آپ کو اس قسم کی تصانیف پر تبصرہ کرنے کی تکلیف دیں، جواب لکھی گئی ہیں، البتہ جو مثنوی ہم نے ابھی سُنی ہے اُس پہ آپ کی رائے کا اظہار ہم سب کے لئے غالباً سبق آموز ثابت

ہوگا ـــ !

فضیلت مآب نقاد، شہزادی کے اس فرمان پر کچھ کبیدہ ہوا، کیونکہ وہ اپنے فضل و کمال کا جوہر دکھانے سے روک دیا گیا تھا، تاہم اس نے اس مثنوی کے متعلق اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا :-

"اگر میری عقل غلطی نہیں کرتی، تو اس فسانے کے مخصوص اشخاص ہیں ایک وہ بدصورت شخص ہے جس کا چہرہ نقاب کے اندر پوشیدہ ہے، دوسری ہستی ایک نوجوان لڑکی کی ہے جو ایک وقت ذی ہوش نظر آتی ہے اور دوسرے وقت مسلوب الحواس یعنی شاعر اپنی مرضی کے مطابق کبھی اُسے ذی فہم اور صائب الرائے دکھا دیتا ہے اور کبھی دیوانہ و بے عقل۔ تیسرا وجود ایک نوجوان کا ہے، جس کے سر پر ایک بدنما بخاری وضع کی ٹوپی ہے، یہ نوجوان اُس کریہ المنظر انسان کے دعوائے پیغمبری کو تسلیم کر کے اُس کا پیروِ بن جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے حوادث سے ایک عمدہ مثنوی کی توقع کیونکر قائم کی جا سکتی ہے؟ ان میں ہر ایک سے مباحثہ کرنے کے بعد ہمارا نقاب پوش دوست آتش سیال کے ایک حوض میں غوطہ زن نظر آتا ہے۔ وہ دوشیزہ ایک فصیح و بلیغ تقریر کرنے

کرتے جان دے دیتی ہے اور عاشق دل گرفتہ اپنی عمر
طبعی تک اس آرزو پر زندہ رہتا ہے کہ کسی دن وہ
اس کی روح کو خواب میں دیکھ لے۔ آخر کار وہ اس میں
کامیاب ہو جاتا اور پھر مرجاتا ہے! غالباً تم سب اس سے
متفق ہو گے کہ خلاصہ غلط نہیں ہے؟

"ہر چند مثنوی کا طرز ادا دلکش ہے لیکن اس میں
نہ تو کوئی ادیبانہ صنعت ہے کہ تخیل کی عمومیت کا بدل
ہو سکے اور نہ کوئی عبارت آرائی جس کے باعث
وجدان معنی خیز اور حسین بن جاتا ہے اب رہا شاعرانہ
پہلو، سو اس کے متعلق اگر زیادہ برائی نہ کی جائے
تو بھی مکروہ و قابل نفرت کہہ دینا بے جا نہ ہو گا۔ اسمیں
نہ تو فردوسی کی سی الہاس روانی ہے، . . . . . .
. . . . . . ، نہ حافظ کی سی قدرتی شیرینی، اور
نہ سعدی کی سی بے مثال سلاست!"

فضل الدین نے جو نظر اٹھائی تو دیکھا کہ تمام اہل محفل مصروف
خواب ہیں حتیٰ کہ شمع کے شعلے بھی سو جانے کے لئے آمادہ ہیں! وہ
اس حرکت پر نہایت برہم ہوا مگر مجبور تھا۔ آخر کار اُس نے اپنے خطبہ
کو ان الفاظ پر ختم کیا:۔

"باوجود ان خیالات کے جو میں نے ظاہر کیے اور جو ایک

تنقید کرنے والے کا فرض تھا، میری یہ خواہش نہیں ہے
کہ نوجوان شاعر کی دل شکنی کا باعث بنوں اور اس کی
ہمت کو پست کر دوں۔ البتہ اگر وہ اپنا انداز بیان تبدیل
کر دے تو میں خوش ہوں گا۔"

لالہ رُخ نے فرآمرز کی مثنوی کو بے حد پسند کیا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ اُس سے کسی دوسرے فسانے کی فرمائش کرے لیکن اُس کی جرأت اس سے قاصر نظر آئی۔

اس کے بعد قافلہ ایک وادی میں پہنچا یہ وہ مقام تھا جو چند ہی سال قبل لالہ رُخ کی بڑی بہن شاہزادی روشن آرا کے سفر کشمیر کے وقت آراستہ کیا گیا تھا، شاہزادی اس مقام کو دیکھ کر بہت متاثر ہو گئی اور بولی:۔

"میرا خیال ہے کہ یہ مقام بہار کی دیوی کا مسکن ہے۔
جس کی پرستش معابہ خطائیں کی جاتی ہے۔ یا پھر یہاں
وہ پریاں رہتی ہیں، جن کی غذا صرف پھولوں کی نکہت
ہے!"

فرآمرز جس کی نظر میں لالہ رُخ ہی بہار کی دیوی تھی اور پری بھی، کہنے لگا:۔

"مجھے ایک پری کا چھوٹا سا قصہ یاد ہے، اگر شاہزادی
کا ایماء پاؤں تو عرض کر دوں!"

فضل الدین نے کچھ نہ کہا، اور شاہزادی لالہ رُخ نے ایک تبسّم کے ساتھ فرامرز کی آمادگی کو بہت پسند کیا، اور فرامرز نے ستار اٹھاکر اس طرح سُنانا شروع کیا۔

بہشت اور پری

صبح کی نورانی فضا میں عدن کے دروازے پر ایک پری حزن اور ملال کی حالت میں کھڑی ہے۔ بہشت کا دروازہ ایک ذرا کھلا ہوا ہے، فردوس کے چشموں کی روانی اُس کے سامعہ کو مسحور کر رہی ہے۔ اور وہاں کی نورانی صباحت کا انعکاس اُس کے بازوؤں کو تابناک بنا رہا ہے پری بے انتہا غمگین اور ملول ہے، اُس کے بلوری رخساروں پر آنسو جاری ہیں وہ نیم وا دروازے کے اندر دیکھتی اور خیال کرتی ہے کہ "وہ پاک روحیں، جو عدن کے اندر مصروف گلگشت ہیں، کس قدر خرم اور مطمئن ہیں اور اس بہار رنگ و بو میں جس کے لئے افسردگی و پژمردگی کا کوئی مفہوم نہیں وہ کس لطف سے ہمیشہ مقیم رہیں گی! اور اگرچہ پرستان کے باغات و قصور بہت اچھے ہیں، زمین اور سمندر کے تمام پر فضا مناظر بھی میری ملکیت میں ہیں" لیکن واقعہ یہ ہے کہ خلد کا ایک غنچہ بھی دنیا کی تمام بہاروں کو شرمندہ کر سکتا ہے! ہرچند کشمیر کی جھیلوں کی درخشانیاں، اس کے جزیروں کی آئینہ سامانیاں اور شفاف چشموں کے شیریں نغمے پر لطف ہیں ہابنت کی رو د زرین کی روانی بے حد تابناک ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ سلسبیل و تسنیم کی روانی کے

سامنے ان کی خوبیوں کا ذکر کرنا ہی کفر ہے! ایک ستارے سے دوسرے ستارے تک پرواز کرتے رہنا، ایک دُنیا سے دُوسری دُنیا تک پرواز کرتے رہنا، ایک دُنیا سے دوسری دنیا تک سیر و سیاحت پر قادر ہونا۔ ہر لحظہ اور ہر فضا کی مسرتیں اپنے لئے حاصل کر لینا، گو نہایت پر لطف بات ہے۔ لیکن، یہ سب کچھ بہشت کے ایک لمحہ کے بھی برابر نہیں ہو سکتے!

باب النور کے محافظ، رضوان نے اُسے زار و قطار روتے دیکھا، کسی قدر قریب ہو کر اس کا مغموم گیت سُنا، اور جذبۂ رحم سے ایک آنسو اس کی آنکھ میں آ کر اس طرح ٹھہر گیا جیسے بہشت کے فوارے سے کوئی قطرہ اڑ کر گلِ نیلمی کی پنکھڑی پر قائم ہو کر چمکتا رہتا ہے! رضوان نے اس پیکرِ مسرت سے کہا:۔

"اے خطاکار مگر حسین نسل کی جمیل ترین دوشیزہ! تیرے لئے اب صرف ایک ہی اُمید باقی رہ گئی ہے۔ کتابِ تقدیر میں درج ہے کہ پری اگر وہ تحفہ لائے جو خدا کو بہت پسند ہے تو اُس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے! اس لئے جا اور اُس تحفے کی تلاش کر، تاکہ تیرے گناہ کا کفارہ ہو سکے۔ میں بہت خوش ہوتا ہوں جب گنہگار ہستیوں کی خطائیں معاف ہوتی اور میں انہیں بہشت کے اندر جاتے ہوئے دیکھتا ہوں!"

جس طرح شہابِ ثاقب نہایت سرعت کے ساتھ آفتاب میں جذب ہو جاتا ہے، جس طرح رات کی تاریکی میں کوئی ستارہ ٹوٹ کر نگاہوں سے غائب ہو جاتا ہے، اسی طرح وہ پری بھی سرعتِ پرواز کے ساتھ سقفِ نیلمی سے اُتری اور صبح کے اولیں تبسم کی روشنی میں بسیط فضائے ارض کو دیکھنے لگی

وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکتی تھی کہ اُس تحفے کو جو خدا کے نزدیک بہت محبوب ہو کہاں تلاش کرے ؟ اُس نے خیال کیا :۔

چہل مینار کے ستونوں کے تابناک عقیق کے دفینے میرے علم میں ہیں ، عرب کے جنوبی ساحلوں کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے جزائر عنبری میری نگاہ میں ہیں۔ اُس مقام سے بھی واقف ہوں جہاں جام جمشیدی چھپا ہوا ہے لیکن میں جانتی ہوں کہ اس قسم کے تحفے مقبول بارگاہ نہیں ہو سکتے پھر وہ جوہر نایاب کہاں مل سکتا ہے جو بارگاہِ خداوندی میں پیش کیا جا سکے ؟"

ہنوز وہ اسی فکر میں تھی کہ اس کی نظر خطۂ ہندوستان پر پڑی جہاں کی ہوائیں روح افزا ہیں ، جس کے سمندر کی گہرائیوں میں عنبر کا فرش ہے جس کے ساحلوں کی دیواریں مونگے کی ہیں ، جہاں شعاعِ خورشید میں غسل کرنے والے پہاڑوں کے نیچے ہیرے کی کانیں جگمگاتی رہتی ہیں ، اور جس کے رواں چشموں کی موجوں میں سونا حل کر دیا گیا ہے ، لیکن آج اس کے دریاؤں کا رنگ سُرخ ہے ، انسانی خون سے چشمے رنگین ہو رہے ہیں باغات سے اس وقت موت کی بو اڑ رہی ہے ، اور ہر اس سانس میں جو سطح زمین سے بلند ہو رہی ہے ، انسانی قربانی کی بو شامل ہے ۔

وہ پری اس منظر خونی پر ایک نگاہ ڈالتی اور دیکھتی ہے کہ ایک بہادر کے ہاتھ میں تلوار کا صرف لالہ گوں دستہ رہ گیا ہے اور اس کے ترکش میں

صرف ایک تیر باقی ہے، اور ایک پر غرور آواز اُس سے کہتی سنائی دے رہی ہے:۔

"اپنی جان کا دشمن نہ بن، اور موت کے ساتھ کھیلنا پسند نہ کر"

سپاہی دریا کے بہتے ہوئے رنگین پانی کو دیکھتا ہے۔ اور اپنا آخری تیر کمان میں جوڑ کر اس کے جواب میں روانہ کر دیتا ہے۔ باوجود نشست صحیح ہونے کے بھی تیر خطا کرتا ہے، اور دشمن اس کو زخمی کر ڈالتا ہے، پری اس کو گرتے ہوئے دیکھتی ہے۔ اور آفتاب صبح کی شعاع کی طرح نہایت خاموشی کے ساتھ اس مقام پر اتر آتی ہے، اور قبل اس کے کہ زخم خوردہ سپاہی کی رُوح جسم سے رخصت ہو، آخری قطرۂ خون حاصل کر کے آسمان کی طرف بلند ہو جاتی اور سوچتی ہے کہ:۔

"خدا کرے یہی وہ تحفہ ہو، جس کے باعث باب النور پر میرا خیر مقدم ہو سکے! ہر چند کہ جنگ کے میدانوں میں بہہ جانے والا خون اکثر نجس اور آلودہ ہوتا ہے۔ کیونکہ خود غرضی وطمع اس کی محرک ہوتی ہے۔ لیکن جو قطرات خون آزادی وطن کے لئے اور وطن کی حمایت میں بہائے جاتے ہیں وہ ضرور مقدس و مقبول ہوتے ہیں! یہ خون، وہ پاک خون ہوتا ہے جس کے شامل کر دیئے جانے سے تسنیم و سلسبیل کا پاکیزگی بخشنے والا پانی بھی آلودہ نہیں ہو سکتا! پھر دنیا میں اگر کوئی شے ایسی ہو سکتی ہے جسے خداوند عالم پسند فرمائے تو وہ یہی قربانی ہے جو حریت کے نام پر دی جاتی ہے"۔

دروازہ بہشت پر پہنچ کر وہ اپنے اس ہدیۂ گراں قیمت کو جذبۂ امید و مسرت کے ساتھ رضواں کے سامنے لاتی ہے تو وہ کہتا ہے :-

"کوئی شک نہیں کہ پرستارانِ وطن کے مقدس جذبے کی یہاں عزت کی جاتی ہے، مگر افسوس ہے کہ جنت کا بلورین حلقۂ در اسی طرح بند ہے اور ذرا حرکت نہیں کرتا! لہذا! تجھے اس سے بھی زیادہ مقدس چیز کی تلاش کرنا چاہیئے، جو تیرے واسطے باب جنان کو کھول سکے!"

(۲)

پری یہ سُن کر بہت افسردہ ہوئی، اور پھر زمین کی طرف لوٹی۔ اس مرتبہ اس کا رُخ افریقہ کے دور افتادہ جنوبی گوشے کی سمت ہو جاتا ہے اور جبل قمر کے دامن میں چشمۂ مصری امواج پر اس کے بازو منعکس ہوتے ہیں۔ نیل کا یہ منبع، بنی آدم کی نگاہوں سے مخفی، تنہا و غیر آباد جنگلوں کے وسط میں واقع ہے، اور دریا کی دیویاں اس گہوارۂ نیل کے گرد رقص کیا کرتی ہیں۔ وہ روح متجسس ٹھنڈی سانسیں بھرتی ہوئی اس فضا میں چکر لگانے لگتی ہے۔ ایک وادی میں وہ قمریوں کو مصروف شیون دیکھتی اور اس طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ دوسرے مقام پر وہ ماہی گیروں کا ایک غول دیکھتی ہے جو نیلگوں پانی کو متحرک کر رہا ہے۔ ان ماہی گیروں کے سفید ملبوس کو رخصت ہونے والے چاند کی روشنی سفید تر بنا رہی ہے۔ ان روح افزا وادیوں کے پھلوں کا ماہتاب کی روشنی میں ڈوب

ڈوب کر سنہرا ہو جانا، خرما کے درختوں کا ایک نئی دلہن کی مانند پر شباب دوشیزہ کی گردن کی طرح جھک جانا، اچھوتے کنولوں کا تمام شب اپنے حسن صبیح کو شبنم سے غسل دیتے رہیں گے بعد بیدار ہو کر آفتاب کی سب سے پہلی کرن کا انتظار کرنا یہ سب وہ مناظر تھے جن سے یہ پری بہت متاثر ہوتی ہے۔

ٹھیک اسی حالت میں ایک شاداب درخت نارنج کے سائے میں جس کے پھول اور پھل ہوا کے جھونکوں کے ساتھ جنبش میں آ رہے تھے اس پری کے کان میں کراہ کی آواز آتی ہے۔ شاید کراہنے والی ہستی اس خاموش مقام پر موت کی تلاش میں آ پہنچی تھی۔ وہ ہستی جس کی زندگی میں اس کی ہر حرکت کے پیچھے پیچھے سینکڑوں قلب مضطرب ہو جایا کرتے تھے۔ اس وقت اس طرح تنہا چھوڑ دی گئی تھی! گویا دنیا میں اس کا کوئی چاہنے والا نہیں، کسی کو اس کے ساتھ تعلق نہیں اور اس کے آخری سانسوں کو دیکھنے والی، اس پر دو آنسو بہانے والی کوئی آنکھ نہیں ہے! اُف کیسا حسرت خیز منظر ہے! کوئی نہیں، جو اس وقت اس کے پاس ہوتا، اور جو آگ اس کے سینہ کے اندر لگی ہوئی ہے اُسے جھیل سے پانی کا ایک قطرہ لا کر جو سامنے اپنی خنکی و صفائی کو پیش کر رہی ہے بجھا دیتا؟

کون جان سکتا ہے کہ اس بیکس جوان کے یہ آخرین لمحات صرف ایک خیال کی لذت و مسرت سے آباد ہیں، اور اس کی آمادہ مفارقت روح پر اپنا سکون نازل کر رہے ہیں؟ اس کی یہ آخری ساعتیں مطمئن ساعتیں

کہی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ اسے اپنی اس بے کسی کی پروا اس لئے نہیں کہ وہ دوشیزہ جس سے وہ ایک عمر سے محبت کرتا اور ہمیشہ اپنی کہہ کر پکارتا تھا، اس ہلاکت نیم شبی کی اذیتوں سے محفوظ تھی، اپنے خاندان کے ساتھ شاہانہ مکان میں فواروں کے سیمیں تقاطر سے جاری ہونے والی رُوح، فرا خنکی سے سکون حاصل کر رہی تھی!

بادل سے چھپے ہوئے چاند کی روشنی میں، دور سے ایک جسم متحرک نظر آتا ہے، جو نہایت آہستہ آہستہ اس افسردگی بار کنج کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ وجود نزدیک پہنچ کر ایک پرشباب دوشیزہ کی شکل میں بدل جاتا ہے۔ جس کے رخساروں کے اندر گل تر مستور معلوم ہوتے ہیں۔ یہ دوشیزہ اسی جاں بلب نوجوان کی منسوبہ ہے اور اپنے حبیب کے پہلو میں ہلاک ہو جانے کو ساری دنیا کے حصول پر ترجیح دیتی ہے! یہ لڑکی بے تابانہ اپنے بازوؤں کو اس کی گردن میں ڈال دیتی ہے، اپنے رخساروں کو اُس کے رخساروں پر اور اپنی سیاہ زلفوں کو جنہیں وہ جھیل کے پانی میں ڈبو کر لائی تھی، اس کی ملتہب ابرووں پر رکھ دیتی ہے۔

اُف! کس قدر حسرت خیز نظارہ ہے! وہ اس حالت کی تمنا بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اُس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مرنے سے قبل ایک ساعت ایسی بھی آئے گی، جب اُس کی جان و رُوح کی ملکہ کے بازو اس کی گردن میں حمائل ہو جائیں گے! لیکن وہ جوان پھر ایک مرتبہ اپنی حالتِ زار کا احساس کر کے احتراز کرنا چاہتا ہے۔ گویا ان اچھوتے مرجان ہونٹوں میں جو

اس وقت اس درجہ بے دھڑک پیش کر دیئے گئے ہیں، تمام عالم کا سم قاتل بھر دیا گیا ہے! اس صورت اجتناب نے اس لڑکی پر قیامت برپا کر دی اور اُس نے روتے ہوئے کہا:—

"آہ! اس فضا میں جہاں تم سانس لے رہے ہو، میرا سانس لینا بھی پسند نہیں کرتے! یہ ہوا جو ہر چند ہلاکت بار ہے مجھے نوشدارو کے اثر سے لبریز نظر آتی ہے۔ کاش میرا خون شدہ دِل اس زہر کے لئے تریاق ہو سکتا! لیکن میرے پاس تو صرف یہ آنسو ہیں۔ ہاں میرے گریۂ محبت کا تقاطر ہی میرا سرمایۂ حیات ہے، اور یہی تمہارے مرض کا علاج ہے! باور کرو، ابھی وقت ہے کہ یہ چشمۂ حیات تمہیں سیراب کر سکے، ورنہ اُس کے خشک ہو جانے پر یہ سارا نظام بھی بدل کر رہ جائے گا! تم مجھ سے اظہار نفرت نہ کرو۔ اپنا منہ نہ پھیرو، کیا میں تمہاری نہیں ہوں؟ تمہاری عروس محبت نہیں ہوں؟ میں تو تمہاری نگاہِ لطف کا ایک ہدیۂ مقبول ہوں، حسین کے لئے دُنیا میں اور اس کے بعد بھی، سوائے تمہارے پہلو کے کوئی مقام راحت و سکون نہیں! میری جانب دیکھو، قبل اس کے کہ میں اپنے دل کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جل کر خاکستر ہو جاؤں، تمہارے سرد ہونٹوں کی پاکیزہ زندگی جب تک قائم ہے مجھے بھی اسی زندگی کا شریک

رہنے دو!"

فضا کی سم آلود ہوا اس کے چراغ حیات و محبت کو بھی گل کر دینا چاہتی ہے، دباؤ کا زہرناک تنفس اور اُس کی آنکھوں کے شیریں نور کو ایک فشار سے دبتا ہے، اُس کا دِل بیٹھنے لگتا ہے، اور وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

تپش اور کرب کا ایک خفیف اظہار کرنے کے بعد درد، درد کی حد سے گزر جاتا اور ٹھنڈا پڑ جاتا ہے! دوشیزہ آنکھ کھولتی ہے، پھر اپنے محبوب کا ایک بوسہ لیتی ہے موت کا فرشتہ بوسے ہی کی شکل میں ان سے آملتا ہے اور پھر ایک وداعی آہ کے ساتھ اس شمع کا شعلہ ماتمی لباس اختیار کر لیتا ہے

آمادۂ سفر روح کے لبوں سے جس کی وفاداری دُنیائے انسانیت کے لئے بہترین نمونہ ہے، آخریں "آہ وداع" سنتے ہی پری کہتی ہے:-

"آرام کر، آسودۂ خواب ہو جا، اور دُنیائے تعطر میں ہمیشہ کے لئے راحت گزیں رہ!"

اِن الفاظ کی شکل میں اس پری نے فضا پر ایک علوی تنفس ساری کر دیا اور اپنے طرۂ تابناک کی حرکت سے اس تاریک کنج کو روشن بنا دیا، جس میں یہ دونوں بے جان پڑے تھے۔ اُن کے چہرے نورانی تھے اور ان کی روحیں مطمئن!

افق پر اب نمودِ صبح کا رنگ انفعال چڑھ جاتا ہے اور پری پاک جذبۂ محبت کی بے مثال قربانی کی یادگار یعنی اک بیش بہا "آہِ وداع"

لے کر آسمان کی جانب بلند ہو جاتی ہے۔ اس دفعہ غرورِ مسرّت سے اس کا دِل غیر معمولی طور پر متحرک ہے۔ کیونکہ وہ جانتی ہے کہ اس سے بہتر تحفہ اور کوئی نہیں ہو سکتا! اُسے یقین ہے کہ یہ تحفہ خدا کے حضور مقبول ہوگا اور وہ بہشت میں داخل ہو جائے گی۔ مسرور و مفتخر پری، دروازۂ بہشت پر پہنچتی ہے، اور ایک پر معنی تبسّم کے ساتھ اپنا تحفہ رضوان کے سپرد کر دیتی ہے مگر افسوس کہ اس کی یہ اُمید بھی یاس ہی ثابت ہوئی! منشائے قدرت اب بھی اُس کی آرزو کے مخالف نظر آیا! رضوان نے اس کا یہ تحفہ لیا اور نیم وا دروازۂ جنت کو بند کر کے بولا "ابھی نہیں بے شک اس غم نصیب دوشیزہ اور بد قسمت نوجوان کا فسانہ نہایت دلگداز ہے اور وہ لڑکی بے شک وفادار تھی، مگر اے پری، دیکھ کہ حلقۂ بلورین اب بھی متحرک نہیں!

"پس وہ چیز جو تیرے لئے دروازۂ جناں کو کھول دے اس "آہ" سے بھی زیادہ مقدس ہونا چاہئے"۔

(۳)

نواحِ شام کے وسیع گلاب زاروں پر شام کو شفقی روشنی چھائی ہوئی ہے۔ لبنان کی بلندی پر قرصِ آفتاب، بصد شانِ دلربائی، اپنا تاج زریں نمایاں کر رہا ہے وہ لبنان جس کی چوٹیاں سرما میں برف سے سفید ہو جاتی ہیں، اور گرمی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فرحت ناک وادیوں میں بہار استراحت پذیر ہے۔ اور کوئی اچھا خواب دیکھ کر بڑی مسکرا رہی ہے اُس آنکھ کے لئے جو جوِّ سما میں معلّق ہو کر اس طلسمی منظر کا تماشا

کررہی ہو، اس رنگینئ حیات کا نظارہ کس درجہ حسین اور دلفریب ہو سکتا ہے
شاداب و رنگین باغات میں منور چشموں کے کنارے جہاں سرد وں
کے کھیت دور تک چلے گئے ہیں، شکستہ معابد کی دیواروں پر بے شمار کبوتروں
کے جھنڈ نظر آتے ہیں اور ان کے خوش رنگ اور بے تاب بازو سورج
کی سنہری کرنوں میں اس طرح چمک رہے ہیں گویا وہ قوس قزح کے ٹکڑے
ہیں، اُس قوسِ قزح کے ٹکڑے جو صرف پرستان کے پاکیزہ آسمانوں پر
ہی طلوع ہوا کرتی ہے۔ لیکن اس بدنصیب پری کی افسردہ دلی کے لئے
اس دلکش فضا میں بھی کوئی وجہ شگفتگی نظر نہیں آتی۔ اس کے بازو خستہ
ہو چکے ہیں اور وہ آفتاب کی حالتِ غروب کو بغور دیکھ رہی ہے۔ تیرگی
آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے جس میں ویران معبدوں کے بلند ستونوں کا
سایہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا زمانے نے اپنی رفتار عمر بتانے کے لئے سوئیاں
قائم کر دی ہیں!

لیکن کیا اس شکستہ ایوانِ خاوری میں کوئی طلسمی جوہر، کوئی حرز سلیمان
ایسا مل سکتا ہے جو اس پری کی آنکھوں کو روشن کر دے، اور اُسے معلوم
ہو جائے کہ آفتاب و ماہتاب کے محور میں، سمندروں اور خشکیوں کے
تہ خانوں میں وہ نایاب شے کہاں پنہاں ہے کہ اُس کے گناہوں کا کفارہ
ہو سکے؟

پری نیچے اترنا چاہتی ہے، چشم آفتاب اسی درخشانی کے ساتھ
نگراں ہے، ہنوز وہ سطح زمین تک نہیں پہنچی تھی کہ اُس نے دیکھا، کہ

بعلبک کی وادی میں وسیع فرشِ گل پر ایک کم عمر بچہ، ایک نیلمی لباس والی دوشیزۂ پران، نقاشیٔ فطرت کی اختراعِ جمیل، یعنی ایک تیتری کے تعاقب میں دوڑ رہا ہے، جو ایک یاسمینی کنج کے اندر رقصاں ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ایک پھول ہے جس کے پر لگ گئے ہیں، یا کوئی نگینہ ہے جس کے اندر رقص سرایت کر گیا ہے! وہ بچہ جب اس شغل سے تھک جاتا ہے تو اپنے خوبصورت اور ننھے سے جسم کو پھولوں پر گرا دیتا ہے اور اپنے چہرے کے لئے پھولوں کا ایک نشیمن بنا لیتا ہے۔

ٹھیک اس حالت میں ایک شخص جو نہایت ماندہ و مضمحل نظر آرہا ہے اپنے گھوڑے سے اترتا ہے اور بے تابانہ اس ویران عمارت کے دامن میں بہنے والے چشمہ کے کنارے پہنچ کر پانی پینے لگتا ہے اور جب پانی پی چکتا ہے تو اس حسین بچہ کو دیکھتا ہے، پری بھی اس مسافر پر ایک نظر ڈالتی ہے اور اس کے درشت خط و خال ہیں وہ تمام تاریکیاں دکھتی ہیں جو کسی بدترین فطرت انسانی میں پائی جاسکتی ہیں۔ اس کی آنکھیں ظلم و بیرحمی کا مسکن نظر آرہی ہیں، عورتوں کی عصمت دری اور مقدس جذباتِ مذہبی کی توہین و تذلیل اس کے بشرے کی نمایاں خصوصیت معلوم ہوتی ہے، بے وفائی اور بدعہدی اس کی پیشانی پر جدا جدا لکھی ہوئی ہیں لیکن اس وقت یہ پیکرِ معصیت و مجسمۂ گناہ بھی ایک سکون و اطمینان کی حالت میں فرشِ زمین پر پڑا ہوا اس طفلِ گلستاں کے کھیل کا تماشہ دیکھ رہا ہے گویا شام کی ٹھنڈی فضا نے اس کے دل میں بھی کچھ نرمی پیدا کر دی ہے

بایں ہمہ جب اس کی بھیانک آنکھیں اس بچے کی معصوم و مسرت ناک نگاہوں سے مقابل ہو جاتی ہیں تو محسوس ہونے لگتا ہے کہ دو مشعلیں ہیں جو تمام رات ناپاک و خبیثانہ افعال کے لئے روشن رہی ہیں۔

کرۂ درخشاں کے تدریجی غروب کے ساتھ ہی دمشق کے بے شمار مناروں پر سے اذان کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اور بچہ اس پیغامِ صلوٰۃ کو سنتے ہی پھولوں کے تکیے سے اپنا سر اٹھاتا اور کھڑا ہو کر اپنی پیشانی کو مغرب کی طرف زمین پر رکھ دیتا ہے اور اس کے ہونٹھ ایزد ذوالجلال کے نام کی تکرار میں متحرک نظر آتے ہیں۔

اس معصوم بچے کا یہ شغل عبودیت ایک نظارہ تھا جو صرف جنتیوں ہی میں دیکھا جا سکتا ہے، اور اگر اس منظر سکون و راحت کو ابلیس لعین بھی دیکھ لیتا، تو اپنے گم کردہ سکون پر ایک آہِ تاسف کئے بغیر نہ رہ سکتا یہی باعث تھا کہ یہ مسافر بھی اس منظر تقدیس کو دیکھ کر اپنے آنسو نہ روک سکا اور عمرِ گذشتہ کے تمام افعال شنیعہ، حافظہ نے اس کے سامنے پیش کر دیئے۔ اُس نے باوجود سعی و جستجو کے اپنی گذشتہ زندگی کے تاریک طوفان میں ایک لمحہ سکون نہ پایا۔ اس کے جذبۂ انفعال و تاسف نے اظہار تاثر کا ذریعہ صرف آنسوؤں کو بنا لیا۔ نہایت رقتِ قلب کے ساتھ عجز و فتادگی کے لہجہ میں اس نے کہا:-

"ایک وقت مجھ پر بھی ایسا ہی گزر گیا ہے، میں بھی تیری ہی طرح معصوم تھا اور تیری ہی طرح میں بھی اپنے معبود کے سامنے سجدے

میں گر جایا کرتا تھا۔"

شرافت و انسانیت، امید و رجا کے جو جذبات ایک زمانے سے اس کے اندر نیم مردہ حالت میں تھے دفعتاً بیدار ہو جاتے ہیں! جوش گریہ سے اس کی آواز بلند ہو جاتی ہے، وہ روتا اور آنسوؤں کا ایک طوفان جاری کر دیتا ہے جو آنسو عمق دل سے ندامتِ گناہ میں نکلتے ہیں بے شبہ مقبول ہوتے ہیں۔ ایسی ہی قابلِ قبول اور عفو طلب اشکوں کی روانی میں ایک معصوم طمانیت کا اولین احساس ہونے لگتا ہے، اور احساس ایک گنہگار ہی کو ہو سکتا ہے۔

پری نے اس شخص کو اشک فشاں دیکھ کر کہا:۔

"یہی وہ قطرہ ہے جو ماہتاب سے ٹپکتا ہے، اور وادیِ نیل کے طوفان اور وباء کو دفعتاً معدوم کر دیتا ہے، نہ صرف یہ بلکہ یہ وہ قطرۂ انفعال و ندامت ہے جو انسان کی اندرونی وبائے معصیت کو بکسر کالعدم کر کے اسے پاک و مقدس ہستیوں میں شامل کر دیتا ہے!"

پری اب اس مسافر اور طفلِ معصوم کو پہلو بہ پہلو مصروفِ عبادت گزار ہی دیکھتی اور محسوس کرتی ہے کہ سورج کی ایک جھرجھری ہوئی کرن گنہگار و معصوم دونوں کے سروں پر بجلیاں تڑپ رہی ہے۔ وہ آسمان پر حمد و صلوٰۃ کا غلغلہ سنتی ہے کہ ایک خطا کار کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ ایک گنہگار کو نجات مل رہی ہے!

آفتاب کی آخری ضیائے زرّیں بھی غائب ہو گئی اور اس کی جگہ ایسی روشنی نمودار ہو گئی جس کی مثال کبھی کسی ستارے کی ضیا بھی مہیا نہیں کر سکتی اس نور سماوی میں اس شخص کے افسردہ رخساروں پر آنسو اس طرح چمکتے ہیں جیسے دن بھر کے مرجھائے گلاب پر شبنم کے قطرے! انسانی نگاہیں ممکن ہے کہ اس روشنی کو شہابی ضیا سے تعبیر کریں لیکن پری جس پر وجد کی کیفیت طاری ہے خوب جانتی ہے کہ وہ روشنی فرشتوں کا تبسم تھا جو انسانی ندامت و توبہ کے مقبول ہونے پر ان کی مسرت کا ثبوت ہوتا ہے پیکرِ تلاش، پری، اپنی مسرت کو ضبط نہ کر سکتی تھی، اس لئے وہ جوش میں آکر پکار اٹھی۔

"میرا مقصد حاصل ہو گیا، اب میرے لئے مسرت ہی مسرت ہے! میں اب داخلِ ارم ہو سکوں گی اور اُس کا دروازہ اب میرے لئے بند نہ رہے گا! الوداع! اے پژمردہ ہونے والے پھولو! جو میرے فردوسی ہاروں میں صرف چند لمحات کے لئے متبسم ہوا کرتے تھے، الوداع! کہ اب میرا حصّہ تو وہ طوبیٰ ہے جو تختِ الٰہی کے سایہ میں نشوونما پا رہا ہے اور جس کے پھولوں کی ہر پنکھڑی سے حیاتِ تازہ کی لہک بلند ہوتی ہے! میرا مقصد حاصل ہو گیا۔ اب میرے لئے مسرت ہی مسرت ہے۔ اب میں داخلِ جناں ہو سکوں گی اور اُس کا دروازہ میرے لئے بند نہ رہے گا۔"

جب یہ مثنوی ختم ہوئی تو ناظر اعظم فضل الدین نے کہا:۔
"کیا اسی کا نام شاعری ہے؟ کیا ایسی کمزور اور پست تخیل کو شاعری کہتے ہیں؟ اس قسم کی مجہول و سست بحریں جن میں یہ مثنوی لکھی گئی ہے یکسر متروک و مردود ہونا چاہئیں کیونکہ موجودہ شاعری کا حشرات الارض کی طرح نشو و نما پانا خطرناک ہے۔"
فضل الدین نے یہ دیکھ کر کہ اہل مجلس پر نیند کا غلبہ شروع ہو گیا ہے کسی قدر آواز کو بلند کر دیا اور بولا:۔
"جو لوگ اپنی وقعت قائم کرنے کے لئے خود تدابیر وضع کرتے ہیں اور جن اختیارات کا وہ اپنے تئیں بزعم خود عامل باور کر لیتے اور اُن کا نفاذ بھی چاہتے ہیں، ان کی مثال اس نوجوان وحشی رقاصہ کی ہے جو محفل شاہی میں رقص تو کرتی ہے مگر فن رقص سے مطلقاً واقف نہیں ہوتی۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس کے متناسب و خوش وضع لباس و پیشواز کے اندر اس کے اعضا مفلوج ہو کر رہ گئے ہیں! اور چونکہ تنقید صحیح کے معیار پر اس پری کا فسانہ جو ابھی بیان کیا گیا پورا نہیں اُترتا اس لئے بہ غور سنے جانے کا مستحق بھی نہ تھا! تاہم زمین سے آسمان تک بار بار زنگ دور کرنے سے جو تجھے اُس نے

حاصل کئے، یعنی ایک قطرۂ خون، ایک آہ، اور ایک آنسو! وہ ایک طفلانہ حرکت نہیں تھی تو کیا تھا؟

تعجب ہوتا ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ قطرۂ خون رضوان کے نورانی ہاتھوں میں کیونکر دیا گیا، اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ "آہ" اور "آنسو" کیونکر لیجائے جا سکتے ہیں؟ الغرض کسی ایسی پری کا وجود اور اس شاعر کی ہستی، جس نے یہ مثنوی لکھی، دونوں بعید الفہم ہستیاں ہیں، مختصر یہ کہ اس قسم کی ناقابل اصلاح مزخرفات پر بحث کرنا بھی تضیع اوقات ہے!"

لالہ رخ نے اس نقاد کی سخت نکتہ چینی کو نرم کرنے کی کوشش کی اور بولی:—

شعراء کا طبقہ بہت زیادہ رقیق القلب اور حساس ہوتا ہے، ان کے کلام و تخیل کی شیریں بیانی و خوبی کو اس قدر شدید تنقید سے ضائع نہ کر دینا چاہیئے کیونکہ یہ طبقہ کنار گنگ پر پیدا ہونیوالی گھاس (خس) نہیں ہے، جسے کوٹ پیس کر اس کی خوشبو کو اس سے علیحدہ کر لیا جاتا ہے"!

اس انداز بحث نے بھی فضل الدین کے کشیدہ ابرو کی کجی کو دور نہ کیا، اور اس کا سبب یہ ہے کہ رواداری فضل الدین کی کمزوریوں

میں داخل ہی نہ تھی! وہ مذہب اور ادبیات میں ایک ہی نقطے پر پہنچ کر بحث کرتا تھا۔ اور گو اِن دونوں موضوع کی خوبیوں اور نزاکتوں کے سمجھنے سے عاری تھا۔ مگر اُن کی مخالفت کرنے میں استادِ کامل کا درجہ رکھتا تھا۔ بہرحال اِن مباحث کے متعلق اس کا جوش و شوق مبالغے کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔

صبح ہوتے ہی کارواں روانہ ہوا اور لاہور پہنچ گیا، جہاں بیشمار یادگاریں اور مقابر، خانقاہیں اور مساجد اس امر کو ظاہر کرتی ہیں کہ موت کا عالم بھی ایک عالمِ مسرت ہے۔ لالہ رُخ کا متخیلہ بھی اس منظر سے بہت متاثر ہوتا اگر اس کے دل پر دوسرے محسوسات کا قبضہ پہلے سے نہ ہو چکا ہوتا۔

یہاں پہنچ کر شاہِ بخارا کا قاصد شاہزادی کے حضور میں پیش کیا گیا، جس نے عرض کیا کہ بادشاہ خود وادیِ کشمیر میں رونق افروز ہو کر شاہزادی کی پذیرائی کا انتظام کر رہا ہے۔ اس پیغام نے جو ایک عروس کے دل کو صرف محبت و مسرت کے تخیّل سے لبریز کر سکتا تھا، لالہ رُخ کی رگوں میں حرارتِ خون کو برف کی سلاخوں سے بدل دیا اُسے یقین ہو گیا کہ اس کا آرام دل ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا ہے۔ کیونکہ اُسے فرامرز سے محبت ہو گئی تھی۔ اور باوجود کوشش کے بھی وہ اِس جذبے کو اپنے دل سے نکال نہ سکتی تھی۔

نہیں کہا جا سکتا کہ اس موقع پر فرامرز کے دل کی کیا حالت تھی؟ اگر

درحقیقت وہی انجذاب مہلک جو لالہ رُخ کے دل پر حادی تھا، اس کے دل کو بھی مسحور کر چکا تھا تو کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ فرامرز کس کا غت و غم میں مبتلا تھا؟

لالہ رُخ اپنے تئیں اس آفت سے بچانے کی صرف یہی تدبیر سوچ سکی کہ فرامرز اب اس کے حضور میں پیش نہ کیا جائے۔ وہ سمجھتی تھی کہ ہر چند وہ دل جو وہ شاہِ بخارا کو پیش کرنے والی ہے افسردہ شکستہ تو ضرور ہو گا، لیکن اس کو وہ کم از کم معصوم ضرور رکھنا چاہتی تھی۔ چنانچہ وہ اس پر آمادہ ہو گئی کہ محبت کے خواب کو دل سے یک سر محو کر دے۔

لاہور میں عروسِ شاہی کی آمد کا جشن نہایت اہتمام و شوق کے ساتھ منایا گیا، اور جب لالہ رُخ لاہور سے روانہ ہوئی تو شہر پناہ کے دروازے تک دولتمند اور شرفائے شہر کے کم عمر لڑکے اور لڑکیاں خوبصورت لباسوں میں دو رویہ صف بستہ تھیں! ان کے سروں پر سنہرے طشتوں میں چاندی اور سونے کے کٹے ہوئے پھول تھے۔ اور جس گروہ کے پاس سے لالہ رُخ کا محافہ گزر تھا، اُن کی گردنوں کو جنبش ہوتی، طشت حرکت میں آجاتے اور سنہرے اور روپہلے پھول نچھاور کئے جاتے تھے، جنہیں لوگ چن لیتے تھے۔ چند روز تک قافلہ مسلسل منزلیں کرتا ہوا چلا گیا مگر تمام اہلِ قافلہ کے دلوں سے مسرت مفقود تھی، اور ایک اداسی سی چھائی ہوئی تھی۔ لالہ رخ نے نوجوان فرامرز کو اپنے حضور سے دور رکھنے کے لئے اپنی ناسازی مزاج کا حیلہ وضع کیا، لیکن اسے جلد

محسوس ہو گیا کہ یہ بہانہ غیر ضروری تھا۔

ایک دن شام کے وقت لالہ رُخ تازہ ہوا کی غرض سے ایک عربی النسل گھوڑے پر سوار ہو کر درختوں کے ایک جھنڈ کے قریب سے گزر رہی تھی کہ اس کے کانوں میں بالسنری کی صدا آئی اور دوسرے لمحے میں گانے کی آواز سُنائی دی۔ وہ اس آواز کو بہ خوبی پہچانتی تھی! وہ وہاں ٹھہر گئی اور اس سحر طراز نغمے کو سننے لگی :-

"اگر دوسرے عالم میں محبت کی صداقت و مسرت موجود نہیں تو میرے سامنے اس عالم کا ذکر نہ کر۔ حوروں کی خوش چشمی اگر مجھ پر اثر نہیں ڈال سکتی۔ اگر دُنیا کی بعض قاتل آنکھوں کی طرح زخم پیدا نہیں کر سکتی، تو اس کا بیان میرے سامنے نہ کر۔ وہ جو اس دنیا میں محبت کا صحیح احساس رکھتا ہے، بے وفائی اور الم آگینی کو جان لینے کے باوجود بھی فضائے بہشت کے لیے اپنے اس لذیذ خواب کو خطرہ میں نہ ڈالے گا۔ وہ جو صحرا کی شدت حرارت میں پانی کو خاک میں تبدیل ہوتا ہوا دیکھتا ہے چشمۂ سراب کی جستجو پر اپنے تشنہ کام مر جانے کو ترجیح دے گا۔"

یہ الفاظ تیر بن کر لالہ رُخ کے دِل میں اتر گئے، اور جب وہ حسرت و تاسف کے جذبات سے لبریز واپس ہوئی تو اُس نے اپنے

تنیں اس تاسف انگیز مگر شیریں حقیقت کے احساس پر مجبور پایا کہ فرامرز کا دل بھی اتنا ہی نشۂ محبت سے سرشار و پامال غم ہو چکا ہے جس قدر خود اس کا۔

دوسرے دن شام کو جہاں قیام ہوا وہ لاہور سے روانگی کے بعد پہلی راحت آفریں جگہ تھی ، کیمپ کے ایک جانب بڑے بڑے درختوں کا سایہ تھا ، اور دوسری طرف شہتوت کے جھنڈ تھے۔ سبزہ زار کے وسط میں شاہزادی کا خیمہ نصب تھا ، اور سامنے پاکیزہ و مصفا پانی کا ایک تالاب تھا ، جس کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے درخت لگے ہوئے تھے۔ سطح آب پر سُرخ کنول کے صدہا پھول تیر رہے تھے ، دوسری جانب کچھ فاصلے پر ایک عجیب وضع کا ، ہیبت ناک منظر پیش کرنے والا گنبد تھا جو اپنی کہنگی کے باعث کسی ایسے مذہب کا معبد معلوم ہوتا تھا ، جو اب زندہ نہ تھا ، یہ معبد ویران اس پرسکون و دلکش مقام کے مقابلے میں اپنی بےکسی و بردباری کی زبان حال بنا ہوا تھا اس غیر معروف وضع کی شکستہ تعمیر نے ہر شخص کو حیرت میں ڈال دیا ، اور بجائے خود ہر شخص قیاس آرائی میں مصروف ہو گیا۔ لالہ رُخ نے بھی غور کیا مگر بے نتیجہ کسی خاتون نے کہا کہ شاید فرامرز اس عمارت کے حال سے باخبر ہو ، کیونکہ یہ مقام اس کے وطن سے قریب تر ہے ، اور ممکن ہے کہ وہ کچھ بتا سکے چنانچہ فرامرز طلب کیا گیا جس نے اس عمارت کی حقیقت اس طرح ظاہر کی۔

" یہ ایک قدیم آتش کدے کے قابل تعظیم آثار ہیں جسے کئی صدی قبل آتش پرستوں نے بنایا تھا اس کے متعلق مجھے ایک افسانہ یاد ہے۔ اور اگر وقت زیادہ نہیں گزر گیا ہے تو یہ فسانہ

سُنانے کے لئے ہیں بخوشی تیار ہوں بشرطیکہ شاہزادی قبول فرمائیں"۔

شاہزادی نے بخوشی اجازت مرحمت فرمائی اور شاعر نے "پرستاران آتش کے فسانہ کی یوں ابتدا کی۔

آتش پرستارانِ فارس

خلیج عمان کے گوہر آفریں ساحل اور اس کے نخلستانی جزیرے چاندنی کی لطیف و نازک چادر میں لپٹے ہوئے سو رہے ہیں، چاند نے اپنے شباب کی لطافت سے تمام موجودات کو غرقِ تنویر کر رکھا ہے، اور فطرت اس دریائے نور میں نہا نہا کر نکھر رہی ہے۔

ہر چیز ساکت ہے، اور ہر منظر خاموش! ہوا ساکن ہے اور پانی کی طرح خشکی بھی آثارِ حیات سے محروم۔ غیر منتظم وقفوں کے بعد اگر ہوا کو ایک غیر محسوس جنبش ہوتی بھی ہے تو اس احتیاط کے ساتھ کہ درختوں کی پتیوں اور امواجِ آب کی نیند میں خلل نہ آئے۔ سمندر کا ٹھہرا ہوا پانی اور اس پر چاند کی شفاف روشنی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موتیوں کو سنہری شراب میں حل کر کے فرشِ مرمریں پر پھیلا دیا گیا ہے۔ اس سکونِ شیریں میں ہر چیز خوابیدہ ہے، اور چشمِ انجم کے سوا اس وسعتِ تنویر کو دیکھنے والا کوئی اور نہیں ہے۔

شہر ہرمزیہ کی آبادی اور آمیر کے محلات میں، جہاں کچھ دیر قبل عشرت ہنگامہ آرا تھی، اس وقت یکسر خاموشی تھی۔ اور ابحسن الحربی اپنی اکلوتی

لڑکی کے ساتھ جس کا اُنس عدیم المثال نہیں تو عجیب و غریب ضرور تھا، سو رہا تھا! اس حکمران نے اپنی نورِ نظر کے راحت و آرام کے لیۓ قصر و ایوان شاہی کی تعمیر و آراستگی میں وہ سب کچھ اہتمام پیش نظر رکھا جو اس کی امارت و محبت اور اُس کی محبوب بیٹی کے حسنِ دلکش کے لئے موزوں و مناسب ہو سکتا تھا! فنِ تعمیر کے ماہر اور صناعی و نقاشی کے بہترین اُستاد جہاں کہیں بھی تھے بلائے گئے تھے، کہ اس کی محبت و شفقت کی ایک مادی مثال قائم کر دیں۔ غرض فراوانیٔ دولت اور ترقی علم و فن کی متفقہ کوششیں جو نتیجہ پیدا کر سکتی ہیں وہ اِس قصر کی شکل میں ظاہر تھا، اور صرف اس جذبہ محبت ہی کے ماتحت نہیں کہ اُس کا یہ گوہرِ مکنون اپنے حجلۂ جمال میں محفوظ رہے، بلکہ آشوبِ زمانہ کے خیال سے بھی کوہِ ارارات کی بلند چوٹی پر جو ہر سمت دشوار گذار چٹانوں اور عمیق غاروں سے محصور تھی، یہ قصر حسین تعمیر ہوا تھا۔

ہر چند یہاں کے باشندے ملک کی خشکی اور غیر شادابی کی وجہ سے ایک کرخت و نا ملائم نسل کہے جاتے ہیں، لیکن اس سرزمین حسن و عشق کے افسانہ ہائے محبت اس کلیئے کی تکذیب کے لئے کافی سے بہت زیادہ ہیں۔ علی الخصوص ہندہ جیسی پری تمثال اور زہرہ جبین دوشیزہ کا افسانہ، جس کا حسن و جمال گویا ایک چشمہ تھا جو اپنے خشک کوہستانی منبع کو سدا بہار چمن بنا دینے والا اور نہ صرف عربستان بلکہ تمام دُنیا کی تاریخ معاشقہ میں بہترین رومان بننے کے لیۓ رونما ہوا تھا!

وینس کی ہستی اگر ایک قوم کی عقیدت مندیوں کا نتیجہ تھی، سافو کا وجود اگر شعرار کی خیال آفرینیوں کا ماحصل تھا تو ہندہ ساری کائنات کے لئے وجہ پرستش تھی کہ اُس کے جلووں کی دنیا قوسِ قزح کی رنگینیوں سے معمور تھی۔ اس کے تنفس کی فضا پھولوں کی نکہت سے بسی ہوئی تھی، اُس کی حرکات میں موجوں کا لوچ شامل تھا، اُس کا جسم خوبانیوں کے گداز سیبوں کی شیرینی سے مملو تھا، اور اُس کے پیکر میں حوروں کی لطافت آسودہ تھی۔

حسن کی پرستش ہمیشہ ہوا کی ہے۔ قلم و دماغ سے پیدا ہونے والے بہترین موتیوں کے ہدایائے نیایش، معابد حسن و جمال پر ہمیشہ چڑھائے جاتے رہے ہیں، کیونکہ حسن جہاں اور جس حالت میں بھی ہو، ایک دل سے (جو پتھر نہیں بلکہ دل ہے) ہدیۂ نیاز کا متمنی ہوتا ہے۔ پھر کون ہے جو اس تمنا کی پذیرائی میں ایک لمحہ تامل کرے؟ اور کب ایسا ہوا ہے کہ جذبات نیاز کا ہدیہ آسمانِ ناز تک نہ پہنچا ہو؟ لیکن وہ غزلیں جو بے حجاب حسن کی مدح سرائی میں کہی گئی ہوں، وہ قصیدے جو حسنِ عریاں کے مندر پر گائے گئے ہوں اس مجسمۂ عفت و نزاکت کے حسن و لطافت کو کیونکر سراہ سکتے ہیں جو عالم کی نظروں سے مستور رہ کر ایک مخصوص فضا کو اپنے جلووں سے منور اور تابش جمال سے معمور کرتا رہتا ہے؟

وہ پھول جو عمق بحر میں (جہاں آفتاب کی شعاعیں بھی نہیں پہنچ سکتیں انسان کی نگاہوں سے مخفی رہ کر شگفتہ ہوتا ہے۔ ہندہ کی عصمت جمال سے جو ایک مقدس راز کی طرح محفوظ تھا، کوئی نسبت نہیں رکھتا تھا اور

جس طرح اس شخص کی خوشی و مسرت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا جو دفعتاً اپنے تئیں پرستان کی حدود میں پائے اور جس کا سونا جاگنا وہاں کی نسیم نزہت آگین پر منحصر ہو، اسی طرح کون اندازہ کر سکتا ہے اس ہستی کی خوش طالعی کا جس کے مبارک ہاتھ اس نقاب کو کھولیں گے جس میں ہندہ کا جمال مستور ہو؟

ہر چند کہ نہایت حسین ہوئی ہیں یمن کی کنواریاں جب وہ نقاب ڈال کر شام گرہائیں اپنے شبستان ناز سے وادیوں کی سیر کو نکلتی ہیں، اور جن کے حسن کی چھوٹ سے ان کے نقاب گلرنگ نظر آنے لگتے ہیں، اور بہت دلفریب ہیں وہاں کی کتخدا لڑکیاں جو چنبیلی کی ان سفید و نازک پھولوں کی طرح جنہیں وہ پہنتی ہیں، خود بھی حسین و نازک ہوتی ہیں اور جن کا جلوہ ہائے علش میں آئینوں کے سامنے صرف خود بینی رہنا ہر لحظ فروغ جمال کا باعث ہوتا ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ عرب کی عشرت سراؤں میں اس وقت تک کوئی کنواری یا کتخدا لڑکی ایسی منتسم نہیں ہوئی جس کے پندار حسن کو حسن کی بہار ساماں دوشیزہ کے جلوۂ بے پناہ نے توڑ نہ دیا ہو

ہندہ نسوانی خصوصیات حسن و جمال کا مکمل ترین نمونہ ہونے کے ساتھ ہی اپنے حسن میں ایک الوہیت بھی رکھتی تھی، اور جس طرح زمرد کی شعاعیں سانپ کی بصارت کو زائل کر دیتی ہیں، اسی طرح اس کی آنکھوں سے نکلنے والی معصوم نگاہیں بھی ایک بد نظر انسان کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی تھیں اس لئے کہ اس کی ہر دنیاوی حسن اور جذبے میں ایک آلہانہ شعلے کی

تاب نمایاں ہوا کرتی تھی۔ اور جس طرح چاند کی روشنی، درخت کی پتیوں سے چھن چھن کر باوجود یک گونہ تاریک ہونے کے تمام روشنیوں میں دلکش نظر آتی ہے اسی طرح ہندہ کا حسن بھی سب سے نمایاں تھا اور دُنیا والے ہندہ کو اگر انسان کہہ کر فخر کر سکتے تھے تو آسمان والے بھی اس میں نصیف سے زیادہ ملکوتیت کے مدعی تھے!

(۲)

اِس سکوتِ مطلق میں ہندہ اپنے قصر کے غرفے میں کھڑی اور اس کے گیسو شانوں پر منتشر ہیں! کیا وہ اس وقت چاندنی میں نہائے ہوئے منظر کا لطف حاصل کرنے آئی ہے؟ کیا اس نظارے میں اس کے لئے اس درجہ کشش ہے کہ اس وقت جب کہ اُسے بالشِ ناز پر محوِ خواب ہونا چاہئے بیدار ہو کر باہر آگئی؟ نہیں اس کی چشم نمناک اور حرکتِ دل کی سرعت شاہد ہے کہ اُس کے جذبات اس وقت کسی کشمکش میں ہیں! دامن کوہ پر اس کی نظریں قائم ہیں اور اُس کا رہ رہ کر مضطرب ہو جانا بتاتا ہے کہ وہ کسی کے انتظار میں ہے۔

حسن تو اس وقت محوِ خواب ہے اور بالکل بے خبر کہ حسین کی راحت و آرام کے لئے تو نے ہر ممکن اہتمام کیا ہے۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہیں، اُس کا دل شوق و خوف کی کشاکش میں تباہ ہوا جا رہا ہے! تجھ سے کون کہے کہ بلند ترین عمارات بھی پروازِ محبت کے لئے سطح ہموار سے زیادہ نہیں، محبت کے لئے تو سریع الحصول ترین عالم میں کوئی دلکشی ہے ہی

اس کو تو وہی تحائف عزیز و محبوب ہوتے ہیں جو خطرات میں پڑ کر حاصل کیے گئے ہوں! موتیوں کی طلب میں سکونِ بحر کا انتظار مسلکِ عشق میں روا نہیں، اس کے غوطے کا وقت تو وہ ہے جب طوفان اپنی زندگی کی تمام طاقتیں صرف کر رہا ہو، پھر محبت ہی تو ہے جو اس جوشِ طوفان کی تہہ میں سے بہترین موتی حاصل کر لیتی ہے!

ہندہ کا حسن و جمال وہ گل بیگانہ نہ تھا جس کی نکہت شامہ نوازی سے محروم ہو۔ ہر چند اس پھول کی رعنائی بلند مکان کی دیواروں اور دشوار گزار چٹانوں کی حفاظت میں مستور تھی، تاہم ایک ہستی تھی، جو محض اسی کے لئے سراپا اضطراب تھی، اور جس کی آنکھیں اس ناطورۂ عرب کے حسنِ شاداب کی پیاسی تھیں جس کے ہاتھ اس تک پہنچنے کی سعی میں چٹانوں سے زخمی ہو جانے کے لئے بیتاب تھے، اور جس کے قدم ارارات کی بلندی پر چڑھنے کے لئے بے چین تھے!

خلیج کی ساکن سطح کی انتہائی حد سے ایک کمزور روشنی نظر آئی، جو دامنِ کوہ کی سمت بڑھتی گئی اور قریب تر ہونے پر پتواروں سے پیدا ہونیوالی آواز بھی سنائی دینے لگی، ڈانڈوں کی آواز سے اندازہ ہوتا تھا کہ کھیلنے والا وقت کا کوئی لمحہ ضائع کرنا نہیں چاہتا، بلکہ کوشش کر رہا ہے کہ کشتی اپنی انتہائی رفتار سے بھی زیادہ تیز چلے۔ بہاؤ اس درجہ تیز تھا کہ کنارے لگے، پر کشتی پتھر سے ٹکرائی اور ایک غیر معمولی آواز پیدا ہوئی۔ اس روشنی کے نظر آنے سے ہندہ کے چہرے پر شوق اور خوشی کے رنگ کا غازہ

چڑھ چکا تھا، اس لئے کشتی کے ٹکرانے کی آواز سنتے ہی اس کے بازو کشادہ ہو گئے۔ گویا وہ آنے والے کو نیچے ہی سے اپنے آغوش میں اٹھا لینا چاہتی تھی رات کے سکوت مطلق میں، اس عروسِ عرب نے جب اپنے مشکیں کاکلوں والے محبوب کو آتے ہوئے دیکھا تو اس کا دِل جو ابھی ابھی خوف و یاس سے پامال ہوا جا رہا تھا۔ افتخار و محبت سے بھر گیا ابھی اُس نے نصف راستہ ہی طے کیا تھا کہ راستے ہی دشواری کا احساس کر کے ہندہ نے اپنا سر جھکا لیا اور دیوانہ وار پکار اُٹھی" حبیبی! میرے بال پکڑ کر چڑھ آؤ! آنے والا مشتاق ہیرو اس وقت شوق و شباب کے پر لگائے ہوئے اُڑ رہا تھا! عربستان کی بکریاں اپنی سنگستانی چراگاہوں میں اتنی سبک جست نہیں کرتیں جس قدر سرعت کے ساتھ اس آنے والے نے یہ دشوار گذار راستہ طے کیا۔

ظاہر ہے کہ ہندہ کو اس آنے والے کے ساتھ عشق تھا اگرچہ اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس کا محبوب کون ہے، اور اس پر بھی وہ ناموس خاندانی اور قیودِ مذہبی کی طرف سے بے پرواہ ہو گئی تھی! جنت نشانِ ہندستان کے گنجہائے باغ میں کبھی کبھی ایسی حسین و خوش رنگ چڑیا نظر آجاتی ہے جس کا کوئی نام نہیں، صرف یہ خیال کر لیا جاتا ہے کہ وہ نسیم کے جھونکے کے ساتھ کسی ایسے جزیرے سے اڑ آئی ہے جہاں ہنوز انسانی تلاش و جستجو کے قدم نہیں پہنچے، پھر یہ چڑیا دیکھنے والے کی نگاہوں کو ایک قلیل فرصت کے لئے مسحور کرنے جس طرح آئی تھی اُسی طرح چلی جاتی ہے! ہندہ بھی اپنے عشق

کسی ایسے ہی کنج میں سمجھتی تھی اور اپنے عاشق کو کسی ایسی ہی چڑیا سے تعبیر کرتی تھی۔ یہ خیال کہ اُس کا محبوب اس چڑیا کی طرح تو غائب نہ ہو جائےگا. اُس کے لئے اذیت روح کا باعث ہوا کرتا تھا اور وہ ایک ارتعاش خفی کے ساتھ "خدا نہ کرے !" کہہ کر اس اندیشے کو رفع کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔

(۳)

اب سے ایک مہینہ قبل جب دنیا بہ اندازہ یک ماہ جوان تر تھی، یہی رات تھی اور یہی چاند کہ ایک غیر محسوس خیال تنہائی سے تنگ آکر ہندہ نے اپنی پیش خدمتوں کو رخصت کر دیا تھا، کہ اُس کا یہ احساس تنہائی غیر مکمل نہ رہے۔ یہ حالت اس پر اکثر طاری ہو جاتی تھی اور اس خیال سے کہ اس کی اس حالت کا راز نہ کھلے وہ تنہا رہنا پسند کرتی تھی۔ اس رات بھی وہ اسی کیفیت سے متاثر تھی اور اپنی خلوت کو پُر کرنے کے لئے اس نے اپنا قانون اٹھا لیا تھا اور تاروں کو یوں ہی چھیڑنے کے ساتھ ساتھ کچھ گنگناتی بھی جاتی تھی۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس شغل میں اس کا شوق نغمہ و موسیقی شامل تھا یا نہیں! کچھ ہی سمجھا جائے مگر حقیقت یہ ہے کہ موسیقی کا دیوتا اپنی نذر کے لئے ایسے ہی اچھوتے نغمے پسند کرتا ہے جن کا کوئی سننے والا نہ ہو اور عرض نغمہ کرنے والی ذات خود بھی بے توجہ ہو۔ اس وقت ہندہ بھی اپنے کومل اور مدہم سروں میں شاید یہی نامعلوم فرض ادا کر رہی تھی کہ چاند کی نرم اور ٹھنڈی روشنی اس کے حسیات شباب اور جذبات

تنہائی کو گدگدا رہی تھی اور وہ تار و مضراب کے ذریعہ سے اُس گدگدی کو دُور کرنا چاہتی تھی۔ اس جادو اثر وقت سحر اور اس سحر آگین لمحے میں دفعتاً اس کی نظر اٹھی اور پھر وکے میں سے کسی کو جھانکتا ہوا دیکھا یہ ما اس کے اس گمنام عاشق کا چہرہ تھا!

پہلا خیال جو ہندہ کے دماغ میں اس نظارے کے بعد آیا وہ یہ تھا کہ محل میں اُس وقت انسان کا گزر تو محال ہے۔ اس لئے وہ شکل ضرور کسی آسمانی ہستی کی ہے جو اپنے ماہتابی سفر میں موسیقی سے متاثر ہو کر وہاں اُتر آئی ہے اور پھر اس کے بعد بھی یہ خیال اُس کے دماغ سے کبھی نہ گیا۔

جب ہندہ کا خوف و استعجاب کسی قدر رفع ہوا تو اُس نے اپنے سامنے مردانہ حُسن و شباب کی ایک تمثال کو سر تسلیم خم کئے ہوئے دیکھا ہندہ نے اس مداخلتِ بیجا کی وجہ دریافت کی، لیکن وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا کہ وہ ایک سپاہی تھا محل کے قریب سے گذر رہا تھا کہ ہندہ کا نغمہ و موسیقی اُسے کھینچ لایا۔ ہندہ بجائے خود اس قدر محو شوق ہو چکی تھی کہ اُس سے زیادہ دریافت کرنا اس کے اختیار سے باہر تھا۔

اگرچہ تبادلۂ الفاظ ہوتا رہا، لیکن ہندہ کے دِل میں بار بار یہ خیال گزرتا تھا کہ یہ شخص انسان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ اندیشہ مند تھی کہ آج اس کی روح کسی ایسی ہستی کے قبضہ و اقتدار میں چلی جا رہی ہے، جو کسی قصور کے پاداش میں ماہرووں سے جلا وطن کر دی گئی ہے! کاش اس وقت کوئی ہندہ کے کان میں اتنا کہہ سکتا کہ ملے پیکر شوق و محبت غم نہ کھا اور اپنے لطف و مسرت

کو اندیشے کی تلخی سے آزردہ نہ کر، تیرا عاشق نہ تو کوئی جن ہے اور نہ کوئی آوارہ وطن فرشتہ۔ وہ ابن آدم ہے جو تیری سادگی شباب کی پرستش کرتا ہے اسی جوشِ عقیدت کے ساتھ، جس استقلال وجرأت سے وہ اپنی تلوار اٹھاتا ہے! اس کا دل دنیا کے بہترین دلوں میں سے ایک ہے، جس کی حرارت کی لہریں دن کے دیوتا (آفتاب) کی ذی حیات شعاعوں کی طرح کام کرتی ہیں۔

آج کی شب اس گمنام عاشق کا جوشِ شوق ایک قسم کی افسردگی سے مملو ہے اُس کے چہرے پر خفیف سی زردی چھائی ہوئی ہے۔ اس سے قبل ہندہ نے اس کو اتنی پریشان حالت میں کبھی نہ دیکھا تھا۔ اور اسی غیر معمولی حالت کے باعث دونوں کچھ دیر تک خاموش رہتے ہیں۔

ہندہ نے اس خوف سے کہ کہیں حقیقت حال کا علم اس کی مسرتوں کو برباد نہ کر دے، اپنے خیالات بھلا دیئے۔ ہر چند کہ وہ اس وقت خود اپنی آواز سے بھی خوف کھا رہی ہے۔ تاہم کپکپاتی ہوئی آواز میں کہنے لگی "دیکھتے ہو چاند کی کرنوں کا تبسم کس درجہ شیریں ہے، میں اپنے تخیل کی بعض ساعتوں میں اکثر تمنا کرنے لگتی ہوں کہ اس سامنے والے چھوٹے سے جزیرے کے پر لگ جاتے اور ہم صرف تم اور میں۔ اُس کے باغوں کی تنہا آبادی ہوتے اور کسی غیر معلوم سمندر کی سمت اڑ جاتے جہاں کسی نبض کو حرکت نہ ہوتی مگر ہماری! اور جہاں ہم دونوں محبت کی زندگی بسر کرتے تنہا مرجاتے، جہاں ہم اس کلفت زار دنیا کی بے رحمیوں اور سرد لہروں کی زد سے دور ہوتے اور جہاں ہم کو کوئی نہ دیکھ سکتا۔ بجز فرشتوں کی معصوم آنکھیں! ہماری یہ تنہائی

جنت مکروہاتِ عالم سے یکسر پاک ہوتی ہے! کیا تم ایسی زندگی کو پسند کرتے یہ کہہ کر وہ ایک شوخی تبسّم کے ساتھ اس کی جانب مڑی، مگر اس کا یہ تبسّم قایم نہ رہا، اور اس کی اداسی کی کوئی انتہا نہ رہی، جب اُس نے دیکھا کہ اس کے عاشقِ کی نگاہیں سخت متالم اور غمگین ہیں! اور نشہ و خطرات سے دل تو پہلے ہی سے بھرا ہوا تھا اس حالت کو دیکھتے ہی ہندہ کی آنکھوں سے گرم گرم قطرات اشک جاری ہو گئے۔

"میں سمجھتی تھی" ہندہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "یہ میرا ہر گھڑی کا خوف، میرے اندلیشہ ناک خواب ضرور رنگ لائیں گے، میں سمجھتی تھی جانتی تھی کہ اس حالت کو دوام نہیں ہوسکتا!" اس عاشق بے نام و نشان نے مُنہہ سے کوئی لفظ کہے بغیر، اپنا ہاتھ ہندہ کے شانے پر رکھ کر اُسے تسلی دینا چاہی، مگر ہندہ کے جذبات میں اس سے اور ہیجان ہوا اور وہ جوش گریہ کے ساتھ کہتی رہی "میں نے جب کبھی کسی پودے یا کسی پھول کو پیار کیا ہے، سب سے پہلے وہی مرجھا گیا ہے، اور جب کسی ہرن کے بچے کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پرورش کیا ہے، سب سے پہلے قضا نے اُسی کو اپنا نشانہ بنایا ہے۔ مگر آہ! میری محبوب ترین تمناؤں کی بربادی اس سے زیادہ المناک کبھی نہ ہوئی تھی جیسی آج نظر آتی ہے۔ میری موجودہ مسرتیں مجھے یقین ہے کہ نہ صرف میری گذشتہ شادمانیوں سے اعلیٰ ہیں بلکہ میں تو باور کئے ہوئے تھی کہ اگر جنت میں کوئی سرور مسرت انسان کو ملنے والا ہے۔ تو وہ اس سے شیریں تر نہ ہوگا! میری تمنا تو صرف اتنی تھی کہ تمہیں

ایک نظر دیکھ لیا کروں، اگر دیکھ نہ سکوں تو تمہاری آواز ہی سُن لیا کروں! کیا میرا یہ یقین کہ تم مجھ سے چھین لئے جاؤ گے" جبنی، ہندہ کا سر اپنے سینے سے لگا لیتا ہے۔ اور تھوڑی دیر بعد جب جوشِ گریہ کم ہوتا ہے تو ہندہ پھر اُس کی طرف دیکھ کر کہنے لگتی ہے "مگر نہیں ہمارا جدا ہو جانا ہی بہتر ہے۔ ہماری یہ ملاقاتیں تباہی کی بنیادوں پر قائم ہیں۔ گو میں واقف ہوں کہ مجھ تک پہنچنے میں جان کا اندیشہ بھی تمہیں پیارا ہے، مگر خدا حافظ! میری بہترین خواہشیں تمہارے ساتھ ہیں! میں اپنی حالت یاس والم میں بھی اس خیال سے کہ تم مجھ سے دور ہو، مگر محفوظ و مطمئن ہو، خوش رہوں گی! آفتاب کی شعاعوں اور ماہتاب کی کرنوں کو دیکھتی رہوں گی کہ وہ اپنی حرارت و روشنی سے تمہاری راحت کا باعث ہونگی۔ ہاں میں مفارقت میں اپنی جان دینا پسند کروں گی، لیکن تمہیں خطرے میں دیکھنا گوارا نہیں کر سکتی!"

"خطرہ!" ہندہ کو اپنے آغوش میں تنگ تر لیتے ہوئے اُس نے جواب دیا "میری پیاری! مجھے ایسے الفاظ کہنے پر مجبور نہ کر جس میں افتخار و غرور کا شائبہ بھی پایا جائے، کیونکہ مجھے تو دنیا میں اب سوائے تیری محبت کے حصول کے کسی چیز پر بھی فخر نہیں ہو سکتا۔ کاش! تجھے علم ہوتا کہ تیرا جان نثار جس نے خطرے ہی کی آغوش میں آنکھ کھولی ہے کیا کچھ نہیں کر سکتا اور کیا کچھ نہیں کر چکا ہے! جس شخص کے کانوں میں ہر لحظہ موت کی صدا آتی رہتی ہے اور جس کی تلوار بحالتِ خواب اس کا تکیہ رہتی ہے اُس کے لئے خوف و خطر ایسے لفظ ہیں جو اپنے اندر کوئی معنی نہیں رکھتے! اور مخصوص اُس

صورت میں جب کہ تیرا شیریں وجود اُس خطرے کا باعث ہو! میری پیاری مجھ سے کہہ کہ تو کسی وجہ سے خوفزدہ نہیں ہے، مجھے اپنے پاس آنے سے منع نہ کر ہاں کہہ دے کہ ہم اسی طرح ایک دوسرے سے ملتے رہیں گے اور ہمیشہ ملتے رہیں گے! تیر استغراق کا خیال مجھے بزدل بنائے دیتا ہے!"

اُس کے اس پرملال اظہار جذبات نے، جس سے شجاعانہ غیرت ٹپک رہی تھی جس کے باعث اس کے لہجے میں ایک غیر محسوس درشتی پیدا ہو گئی تھی، اور جس کا احساس صرف اس کا لبریز شوق دل ہی کر سکتا تھا۔ ہندہ کو سہما دیا، اور گو وہ سوائے ایک نگاہ مایوس و مسترحم ڈالنے کے کچھ نہ کہہ سکتی تھی تاہم وہ اپنی حالت سنبھالتی اور کہتی ہے" مجھ سے عفانہ ہو، اس نیلے آسمان کے سائے میں ہندہ کو کسی چیز سے خوف نہیں۔ مگر تمہاری ان آنکھوں سے، ان نگاہوں سے جو مجھے اس وقت ڈرا رہی ہیں! زمین کے پیردے پر اگر میرے دل کو کوئی شئے مسحور کر سکتی ہے، مجھے اس راستے سے بھٹکا سکتی ہے، اگر کوئی چیز میری روح کو اس کے پیمان غیر معلوم سے ہٹا سکتی ہے، تو وہ تمہاری ایک نگاہ ہے! مگر نہیں، میں پھر خود غرض ہوئی جاتی ہوں! میری قسمت تو مقرر ہو چکی ہے۔ میری تقدیر کا خوفناک فیصلہ تو ہو چکا ہے، اور اب قبر سے پہلے میں تم سے نہیں مل سکتی! لیکن آہ اس راز کو کون حل کر سکتا ہے کہ جن دو روحوں کو تقدیر ایک کر دے دنیا اُس کے اتصال کو کیوں منع کرتی ہے؟"

اجنبی:۔ اے عرب کے چاند! اگرچہ یہ اعتراف میرے لئے کتنا ہی

روح فرسا کیوں نہ ہو، لیکن مجھے کہنا پڑتا ہے کہ ہم دونوں کے درمیان ایک ناقابل عبور خلیج حائل ہے، جس کو ہماری محبتوں کی صداقت بھی عبور نہیں کر سکتی! واقعہ یہ ہے کہ ہماری باہمی محبت فطرت کی سخت ترین ستم ظریفیوں میں سے ہے، کیونکہ قوم عرب سے میرے معاشرتی تعلقات اسی صورت میں قائم ہو سکتے ہیں جب کہ تاریکی و نور کی طاقتیں آلپس میں متصل ہو جائیں، تیرا باپ ــ"

"پاک اللہ، اس ضعیف جان کی حفاظت کرے!" ہندہ مضطربانہ طور پر اُس کا قطع کلام کر کے اور یہ معلوم کر کے کہ اس کا عاشق، خود اس کے باپ کی فوج کا سپاہی نہیں ہے، کہتی ہے "تم اس سے واقف نہیں ہو، میں سمجھی تم اس کی فوج کے سپاہی نہیں ہو۔ مگر وہ تو شجاعت کا شیدا ہے، اس وسیع آسمان کے نیچے میرے باپ سے زیادہ بہادر کی قدر کرنے والا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اپنے بچپن کے زمانے میں جب میں اس کے چمکیلے خنجر اور تلوار سے کھیلا کرتی تھی تو مجھے اس کا قسم کھا کر یہ کہنا یاد ہے کہ یہ لڑکی کسی بہادر سپاہی کی دلہن بنے گی! اب بھی جب کبھی میں اس کے لئے ٹھنڈا شربت اور خوشبودار پھول لے کر جاتی ہوں تو کہا کرتا ہے کہ ناکتخدا لڑکیوں کا میدان جنگ میں محبت کرنا اور نعرہ ہائے نصرت و فتحمندی میں ان کا بیاہا جانا، بہترین طریق عروسی ہے! میرے پیارے! تم میرے والد کی فوج میں کیوں شامل نہیں ہو جاتے؟ تم دیکھتے ہو کہ ان ایرانیوں نے کیسا سر اٹھایا ہے"، ہندہ نگاہ اٹھاتی ہے تو اس کا چہرہ غصے سے

تمتماتا ہوا دیکھ کر یہ سمجھتی ہے کہ اُس کا یہ طیش و غیظ ایرانیوں پر ہے جن کے متعلق خود ہندہ نے اپنی گفتگو میں اشارہ کیا تھا۔ وہ اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتی ہے "تم اس وقت ایک سچے اور بہادر سپاہی کی طرح غضب ناک ہو رہے ہو۔ بس تو صبحدم تم میرے باپ کی فوج میں شریک ہو جاؤ۔ اور جب دشمنوں کے مقابلے کے لئے تلواریں بلند ہوں تو بھول نہ جانا کہ محبت کا دیوتا اور تمہاری ہندہ اُن تلواروں کے سائے میں کانپ رہے ہونگے اور جب تم ان پرستارانِ آتش ان بے دین گبروں پر جن سے میرے والد کی دشمنی ہے فتح یاب ہو۔"

"بس ہندہ بس" اُس کی غیور طبیعت کے لئے عزتِ قومی کی توہین ناقابلِ برداشت تھی، ہر چند کہ وہ ہندہ کی ہر ہر ادا کا دالہ و شیدا تھا۔ اور نہ چاہتا تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی وہ آزردہ ہو، مگر اس وقت اُس کے جذبات حد و ضبط کو طے کر گئے اور وہ بے اختیارانہ دامنِ قبا کو کھولتے ہوئے کہنے لگا "تیرے الفاظ جو میرے لئے آبحیات کا اثر رکھتے ہیں اس وقت موت کی تلخی معلوم ہوتے ہیں۔ ہر چند تیرا ملال بھی میرے لئے جانگزا ہے مگر جن حالات کا علم تیرے لئے ناگزیر ہے وہ کیوں پردے میں رہیں؟ دیکھ اور افسوس کر کہ میں ایک گبر ہوں، جس قوم کا نام ہی تیرے باپ کے جذباتِ نفرت کو برانگیختہ کر دیتا ہے میں اسی قوم کا ایک فرد ہوں! اُسی قوم مشرکین، اُسی غلامانِ آتش میں سے ہوں جو صبح و مسا اپنے کردگار کے گھر میں آسمانوں کی روشنیوں کے سائے میں اس کی عبادت کرتے ہیں

انہیں خانماں برباد ایرانیوں میں سے ہوں جو اپنے وطن مقدس کی ذلت کا انتقام لینے کے لئے زندہ ہیں! ہندہ شاہد رہ میرے حلف کی جو میں یزداں کی منور آنکھوں کے حضور اٹھاتا ہوں کہ یا تو میں ایران کو غاصبوں کی غلامی سے آزاد دیکھوں گا، یا موت کی آغوش میں سو جاؤں گا تیرا باپ، ہیں، تو کانپ رہی ہے! نہیں نہیں تو اطمینان رکھ کہ جو ہستی دُنیا کو تیرے وجود کی روشنی و رنگینی سے زینت دینے کا باعث ہو، وہ میرے لئے اتنی ہی مقدس و قابل احترام ہے جس قدر کہ وہ پاک جگہ جہاں آگ کی پرستش کی جاتی ہے! آہ، وہ پہلی رات جس رات میں اپنی کشتی پر اس محل کی طرف آیا تھا، میں نے جس شکار کی تلاش میں اس صعوبتِ راہ کو گوارا کیا تھا وہ حسن تھا! میں درخت پر اس لئے چڑھا تھا کہ باز کو اُس کے گھونسلے ہی میں گرفتار کر لوں مگر میں نے وہاں ایک مرتعش فاختہ کو پایا اور اب تو میں خود ایک صید ہوں، ایک صید مجروح، اور صحیح معنوں میں نصرت تیرا ہی حصہ ہے ہندہ!"

یہ وقت ہے کہ دو دل جن کی حرکت ایک تھی، دو دماغ جن کی طاقت ایک تھی، جداگانہ احساسات و خیالات کا آماجگاہ بنے ہوئے ہیں، ایک طرف ہندہ اس غیر متوقع انکشافِ حقیقت سے ایک تصویر غم ایک پیکر تحیر بن گئی ہے۔ اس کے آنسو خشک ہو گئے ہیں۔ دوسری جانب ایرانی ہیرو ایک ہی وقت میں دو مختلف جذبات کا معمول ہے۔ ہندہ کو اُس نے اپنے آغوش میں لے لیا ہے اور جانتا ہے ہندہ کے دل کو کیا کچھ صدمہ نہ پہنچا

ہوگا، لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ وہ کیا کرے۔ اُس نے ہندہ کو اپنی آغوشِ تنگ میں کھینچ کر کہا "ہندہ کاش ہم ایک دوسرے سے کبھی نہ ملے ہوتے! یا کاش تو ایک ایرانی دوشیزہ ہوتی اور ہم دونوں، انہیں وادیوں میں پھرا کرتے، انہیں کھیتوں میں ہمارے ایامِ طفلی بسر ہوتے، ایک ہی منور شعلہ کے حضور ہم دونوں سجدہ ریز ہوا کرتے اور ہمارے بے شمار تعلقات کی وہ گرہیں، جن کے اندر وطن کی دلکشیاں پنہاں ہوتی ہیں ہم دونوں کو باہم دگر وابستہ رکھتیں، یہاں تک کہ ایران کا اور تیرا صرف ایک مدعا ہوتا! میں تیری موسیقی کے نغموں میں گزری ہوئی ساعتوں کے ترانے سنتا، تیری تبسم ریز ماں مجھے عیش و عظمتِ گزشتہ کی یاد دلاتیں، اور فارس کی پامال روح تیرے وجود میں حیاتِ گزیں ہوتی آہ! اگر ایسا ہوتا تو وہ کون سی تلوار تھی جو نیام کے اندر رہ سکتی، اور کون تھا جو صمصامِ بے پناہ کے مقابلے میں آسکتا جس کی ہر ہر چمک پر ہزاروں فتح مندیاں قربان ہوا کرتیں؟ قسمت کی یہ ستم ظریفی دیدنی ہے کہ ہم ایک دوسرے سے اس قدر علیحدہ، اس درجہ بعید ہیں کہ شاید قدرت اس سے زیادہ اجنبیت پیدا کر ہی نہ سکتی تھی تاہم محبت کی سخت تر بندشوں نے ہمیں کتنا قریب کر دیا ہے۔ ہندہ اپنے محبوب کی تقریر سے کبھی تو شکار مایوسی ہوئی جا رہی اور کبھی اُمید کی ایک خفیف سی جھلک اُس کے چہرے کو دمکا دیتی تھی، مگر اتنی مجال نہ تھی کہ خود بھی کچھ کہے۔ چنانچہ وہ کہتا رہا اور یہ سنتی رہی" اگر میں مذہب، وطن، اور احباب سے روگردانی اختیار

کروں، ان سے بے وفائی گوارا کروں، تو اپنی محبت کی صداقت قائم کرسکتا ہوں! تیرے باپ کو میرے وطن سے کینہ ہے، فطرتاً تجھے بھی اس ملک سے نفرت ہونا چاہئے۔ اس وقت بھی کوئی عجب نہیں کہ تیرا سینہ صاف اس کینے سے لبریز ہو، لیکن نہیں میرا خیال غلط ہے، نفرت و کینہ اتنے حسین ہو ہی نہیں سکتے! ناممکن ہے کہ یہ لیست و ذلیل جذبات تیرے دل میں جگہ پاسکیں! جو ہستی تیرے لئے ہر چیز کو بھلا دے سکتی ہے۔ فراموش کر دے سکتی ہے، اس کی خاطر اُس کی محبت کے واسطے سے، اُس کا وطن تجھے بھی اتنا ہی محبوب و مقدس ہونا چاہئے! دیکھ سامنے جو وسیع مرغزار ہیں اور اُن میں جو آبادی نظر آرہی ہے" ہندہ کے بلوریں شانے پر ہاتھ رکھ کر وہ اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتا ہے" یہ سب اپنی زبانِ حال سے فرزندانِ وطن کے خون کی داستان بیان کر رہے ہیں! آہ! اس وقت بھی جب کہ ایران فدائیانِ وطن کے خون کی داستان بیان کر رہے ہیں! آہ اس وقت بھی جب کہ ایران فدائیان وطن کے خون، اس کی بیواؤں کی سوگواریوں اور اس کے یتیموں کی نالہ و زاریوں کے لئے دنیا کی آنکھیں خشک اور بے حس ہوں گی، اُس وقت بھی وہاں ایک دل ہوگا جس کے اندر اس تباہی کا درد ہوگا، ایک آنکھ ہوگی جو اس بربادی پر آنسو بہائے گی! میری پیاری ہندہ! وہ دل تیرا دل ہوگا اور وہ آنکھ تیری آنکھ ہوگی! ناممکن ہے کہ تجھے میرے وفورِ محبت کا احساس نہ ہو، اور احساس تجھے جذبۂ ترحم سے لبریز نہ کر دے"

دفعتاً خلیج کی نیلگوں سطح پر ایک روشنی نظر آتی ہے جس نے اُسے کچھ مضطرب سا کردیا۔ روشنی کا یہ شعلہ کئی مرتبہ اُٹھ اُٹھ کر گم ہوا گویا وہ کسی طرح کا جھلملاتا ہوا چراغ تھا۔ یا اُن ستاروں میں سے ایک تھا جو ہر شب تو آسمان سے ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر گرتے تھے، لیکن آج زمین سے آسمان کی طرف جارہے ہیں۔ اُس نے ہندہ سے روشنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ میری پیغام رساں روشنی ہے مجھے اب جانا چاہیئے میرے ایک لمحے کا مزید قیام ہم دونوں کی تباہی کا موجب ہوگا، خدا حافظ میری شیریں حیات، الوداع!"

ہندہ فرطِ شوق میں اُس سے لپٹ جاتی ہے، وہ نہیں چاہتی، کہ اُس سے جُدا ہو، مگر اجنبی کہتا ہے "اے ہندہ! میری روح! اس عارضی جنت کے لئے جو تیری معیت میں مجھے حاصل ہے، میں بہشت دوام سے بھی کچھ زیادہ عزیز چیز کی قربانی گوارا کرنے پر طیار ہوں، مگر افسوس کہ فرض وطن مجھے پکارتا ہے اور اس فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد میں تیری مرضی کا غلام ہوں!" یہ کہتا ہوا ہندہ سے ہاتھ چھڑا کر چل دیتا ہے۔

وہ اس وقت گویا محبت سے بھاگ رہا ہے، اور موت کی طرف جاگ رہا ہے! وہ چلا جاتا ہے اور ہندہ ششدر و حیران کھڑی رہ جاتی ہے۔ اُس کے آنے سے جس چہرے پر معلوم ہوتا تھا کہ خندۂ ماہتاب نے استقلال حاصل کرلیا ہے، اُس وقت ایسا نظر آرہا تھا گویا دُنیا بھر کی

زردی اس صورت میں بھر دی گئی ہے۔ ہندہ کے اس طلسمِ سکوت و حیرت کو پتواروں کی آواز نے توڑا اور وہ ایک چیخ کے ساتھ غرفے کی جانب یہ کہتی ہوئی جھپٹی " میں بھی آتی ہوں، موت کی وادی میں بھی تیرے پہلو میں سوؤں گی اور موت کا سرد ہاتھ ہی ہمارے عقد کی گرہ باندھے گا! ہاں ہاں، امواجِ بحر کے سرد بستر سے، جس پر میرا محبوب استراحت گزیں ہو مجھے کسی بہتر بستر کی تمنا نہیں! ایک مشترک مرگِ آبی دُنیا کی مسرتوں سے کہیں زیادہ شیریں ہے۔ اُس حالت سے کہ میں زندہ رہوں اور تنہا!"

آہ! مگر ان دونوں کی آرزوئے مرگ ابھی قبل از وقت تھی۔ ہندہ کشتی کو جاتے ہوئے دیر تک دیکھتی رہتی ہے اور آخر کار کشتی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی اور ہندہ مایوس و مضطرب اپنے بستر پر جا پڑتی ہے۔

(۴)

آفرینش بیدار ہوئی اور صبح نے ایک دلفریب انگڑائی کے ساتھ آنکھیں کھول دیں۔ سہانی صبح کی زردی مائل روشنی نے نیلگوں سمندر پر متبسم ہو کر بحرین کے نخلستان اور عنبر بیز تاکستانوں کو نمایاں کر دیا۔ جزیرۂ عرب کے ساحل فصلِ تاک کی تازہ خوشبو سے بسے ہوئے ہیں اور بحرِ ہند کی ہوائیں چکر لگا لگا کر پانی کی موجوں کو بلند کر رہی ہیں۔

اُفقِ مشرق سے آفتاب نے اپنے شعلہ رنگ شہپروں کو جنبش دی۔ اُس وقت سے کہ آسمانوں نے اپنا سفر شروع کیا، اُس وقت سے کہ فرشتہ تجلی (خورشید جہاں تاب) نے سب سے پہلے اپنے خالق کے آتشیں نقوشِ

قدم بہ گام فرسائی اختیار کی، یہ وقت اس کے لئے کبھی نہیں آیا! آج یہ کرۂ آتش، اپنی تمام عظمت آفرینی کے ساتھ اس وقت کو نہیں پاتا جب کہ ایران کے ہر ہر ذرّے کی آنکھیں اس کے تابناک چہرے پر جمی ہوئی اپنی پرستش پیش کیا کرتی تھیں، وہ آج اُس زمانے کو ڈھونڈھتا ہے جب کہ ہندمیر کے کناروں سے لے کر سمرقند کے کنج ہائے باغ تک ملک کا ہر گوشہ آتش کدوں سے آباد تھا اور بلند ہونے والے شعلوں کی شکل میں عبادت گزاروں کے جذبات نیاز آگیں اُس تک پہنچتے تھے۔

اے بکیسر شعلہ نظر! کون ہے جو تجھے بتا سکے کہ تیرے پرستار کیا ہوئے کون ہے جو تجھے پتہ دے سکے کہ تیری پرستش گاہیں کہاں گئیں؟ ہاں، کنڈلیسیا کے خون آلود میدان، اور ان آتش کدوں کے برباد شدہ آثار ضرور اس داستانِ الم کو دُہرا سکیں گے کہ بدرد دشمن نے ایران کے پامال تاج کے جواہر کس طرح توڑے اور فارس کے مذہب کو کس طرح اُس نے سرد کیا، یا پھر وہ خانماں برباد کچھ بتا سکیں گے جو بحرِ قزوین کے محفوظ پھاٹکوں سے نکل کر کسی اجنبی سمندر کے کناروں پر کوہ موسین کے دامنوں میں پناہ گزیں ہیں!

ایران کی عزتِ ملی بالکل زائل نہیں ہو چکی ہے، اور گو متھرا کے غاروں سے بلند ہونے والے شعلے سرد ہو گئے ہیں، تاہم ایسے فرزندانِ وطن ہنوز موجود ہیں، جن کے دل میں پوری طاقت کے ساتھ جذبۂ انتقام کا تخم بویا جا رہا ہے!

ہمارا ہیرو، حسن نے قصرِ امارت تک پہنچ سکنے کی دشواری کو سہل کر لیا تھا اور بہ آسانی امیر کی خواب گاہ میں داخل ہو کر حسن کے سینے پر اپنا گھٹنا ٹیک کر ثابت کر سکتا تھا کہ گو ایک فاتح آرام کی نیند سو سکتا ہے لیکن وہ ایک شیدائے وطن کی گرفت سے قلعہ میں بھی محفوظ نہیں رہ سکتا ۔ اُن چند ایرانی نفوس میں سے تھا جو عربوں کی نسل سے متنفر تھے، اور وطن کے لئے جان دے دینا پسند کرتے تھے۔

یہ سواحلِ بحرِ اخضر کے ایک دور افتادہ گوشے میں پناہ گزیں تھا اور علاقہ کرمان کی نسل کا ایک پہاڑی دستہ اس کے ساتھ تھا۔ اس قوم کی جان نثاریوں اور شہامتوں کی روایات فارس میں ضرب المثل ہیں یہ لوگ اپنے قدیم مذہب پر اُسی صداقت کے ساتھ فدا ہو جانے کے لئے آمادہ رہتے ہیں، جس صداقت کے ساتھ ان کا خدائے خاور اپنی نیم باز آنکھوں سے کوہستان فارس کی یخ بستہ چوٹیوں پر اپنی آخری شعاعیں اب بھی نازل کرتا رہتا ہے۔

اس کا نام اگر دوستوں کے دلوں میں عظمت و محبت کے جذبات اُبھارنے والا تھا تو دشمنوں کے لئے وہ خوف و ہراس کا مترادف تھا، عرب آبادی میں اس کا نام غصہ و نفرت کے جذبات کو یکسر برانگیختہ کر دینے والا اور تمام غدار ایرانیوں میں وہ انتہا درجے کا ملعون و خوفناک سمجھا گیا تھا، یہاں تک کہ بعض لوگ اس کو ساحر کہتے تھے اور بعض کا خیال تھا کہ جنون کا بادشاہ اس کی مدد کرتا ہے۔

ہر چند کہ وہ اتنا ہی جری اور بہادر تھا، جتنا ایک انسان کے لئے ہونا ممکن ہے، لیکن جس چیز نے اس کے کارناموں کو مافوق الفطرت بنا دیا تھا، اس کے عزائم کو سحر آگیں کر دیا تھا، وہ صرف ارض وطن کے ساتھ اُس کا جذبۂ عشق تھا! اسی کا اثر تھا کہ وہ مشکل سے مشکل حالت میں بھی سر بکف اور ہر لحظہ جان نثاری پر آمادہ نظر آتا تھا! اس کا سحر اُس کی تلوار تھی، جس پر قوم پرستی کا پانی چڑھا ہوا تھا۔ اور اُس کا افسون "حریّت" کا لفظ تھا جو اس کی زبان کا وظیفہ تھا۔

بلا شبہ وہ ایسے دودمان سے تھا جس میں بہت سے ہیرو پیدا ہوئے جن کی سپہ گری کی روایات، بہادری کی داستانیں، آفتاب کی شعاعوں کی طرح روشن تھیں، اور جن کے کارناموں نے اس خاندان کے خون کو ایسا مقدس بنا دیا تھا، جیسا لبنان کے چھوٹے چشمے کے کناروں پر صنوبر کے درختوں کی قطار نے اس کے پانی کو برگزیدہ بنا دیا ہے۔

اس وقت ایران کی روح ہر چند غمناک تھی مگر اپنے ماضی کے جلال و عظمت کے افسانوں سے معمور و آباد چنانچہ اُس ہیرو کے دل و دماغ نے اسی صولت و شوکت کے گہوارے میں تربیت پائی تھی اور گو اُس کے دل و دماغ کی اُٹھان اُس کے جذبات وحسیات کی پرواز، فارس کے آسودہ ترین ماضی کے لیئے زیادہ موزوں و مناسب تھی مگر منشائے فطرت تو یہ تھا کہ وہ، زمانۂ اشک وغم میں پیدا ہو، پھر ایسی ہستی کے لئے جس کی اُفتادِ طبع یہ ہو، سر تسلیم خم کر دینا کیونکر گوارا ہو سکتا تھا! مغلوبیت کی ذلت اس کی شرافت،

قومی کے احساس کے لئے بہت زیادہ سخت تھی، اور اس لئے کہ وہ وطنِ محبوب کا تماشائے ذلت نہ دیکھے، ایک گمنام گوشے میں جا چھپا تھا کہ اطمینان سے صورت انتقام پیدا کرے مگر فرزندان وطن کی آنکھوں سے ٹپکنے والے اشکِ غم کے قطرے اس کے قلب تپاں پر آتشِ سیال بن کر گرے اور وہ بے قرار ہو کر باہر نکل آیا۔

تاہم اس میں شک نہیں کہ حسن کی عظیم قوتوں کے مقابلے میں کرمانی جرأت و شہامت کا بروئے کار آنا دشوار تھا، اور آخر کار یہی ہوا کہ فدائیان دشمن کے عظیم الشان حملوں کی تاب نہ لاسکے اور غنیم کی بے پناہ و بے تعداد فوج نے سرزمین ایران کے ساتھ وہی کیا جو ٹڈی دل فصلِ خرما کے ساتھ کرتا ہے

(۵)

قدیم سرمزیہ کی خلیج سے کچھ دور، خلیج عمان کے ساحل پر اس سلسلہ کوہستان کی آخری چوٹی نظر آتی ہے جو بحر قزوین سے شروع ہو کر بحر اخضر تک پہنچا ہی اس پہاڑ کی چٹانیں ننگے دیووں کی طرح اگر ایک طرف خلیج کو چاروں سمت سے حلقہ کئے ہوئے اس کی حفاظت کی مدعی ہیں تو دوسری جانب اس کی بلند چوٹیاں آسمانوں سے مقابلہ کرنا چاہتی ہیں۔ اس بلندی کوہ پر ایک اُجڑا ہوا آتش کدہ ہے جس کے آثار بربادی کو صحرائی عقاب اپنے شہپروں سے وقتاً فوقتاً چھو جاتے ہیں، اور اس پہاڑ کے غاروں کی ہیبت آفرینی ہر وقت ان طوفانی موجوں کا خیر مقدم کرتی رہتی ہے، جو بدمستوں کی طرح غاروں کے اندر سما کر سر ٹکراتی رہتی ہیں۔ لہروں کا یہ عجیب و غریب اور پُر اسرار شور و غل

ٹھہر ٹھہر کر پیدا ہوتا اور اس منظر کی وحشت و ہیبت کو اور زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ چنانچہ عام طور سے یہ مشہور ہو گیا تھا کہ ان غاروں میں ارواح خبیثہ رہتی ہیں، اور ہر شخص وہاں جاتے ہوئے ڈرتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی سپاہ اسلام کے بعض افراد یہاں نظر آتے ہیں جو ہفید کی تلاش و تعاقب میں غروب آفتاب کے وقت یہاں پہنچ گئے ہیں۔ پہاڑ کی دوسری جانب اس ویران عمارات کے بلند منارے اس طرح قائم ہیں گویا امتداد زمانہ کی دستبرد سے محفوظ اور اس کی دسترس سے بہت ارفع ہیں۔ دامن کوہ میں ایک گھڈ ہے جو اپنی وسعت اور گہرائی کی وجہ سے دیکھنے والے کو بالکل طلسم بند معلوم ہوتا کہ اس کی گہرائی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور نگاہ انسانی کا وہاں تک پہنچنا محال ہے یہی باعث ہے کہ یہ مقام گذرگاہِ انسانی سے علیحدہ ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی گہرائی میں جو ایک غیر مستحق شور و غل سننے میں آتا ہے، اور جس کی حقیقت کو نہ آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور نہ کان سن سکتے ہیں، آیا وہ ان موجوں کا شور و غوغا ہے جو وہاں آکر مقید ہو گئی ہیں، یا وہ ہمیشہ مضطرب رہنے والے شعلوں کی آواز ہے، اس لئے کہ زمانہ قدیم میں آتش کدے اکثر آتش فشاں پہاڑوں کی بلندیوں پر تعمیر کئے جاتے تھے ہفید اپنی باقیماندہ مختصر جماعت کو اس مقام پر لے آتا ہے اور جب یہاں پہنچ جاتا ہے تو ایک مسرت انگیز اطمینان سے متاثر ہو کر کہنے لگتا ہے :۔

"اے وحشت ناک غارو! میں جانتا ہوں کہ تمہاری اس تاریک فضا سے شیطان بھی خوف کھاتا ہے لیکن تم اُن لوگوں کے لئے

اطمینان جنت مہیا کرنے والے ہو جو سلاسلِ غلامی سے بھاگے ہوں، اس لیئے میں تمہارے خیر مقدم کو محسوس کرتا اور مطمئن رہوں گا"

ایک نہایت تنگ اور تاریک پل کے ذریعے سے جو صرف ہفبدیا اس کے سرداروں ہی کو معلوم تھا، یہ جماعت اس درے کو عبور کرتی ہے اور ویران معبد میں پہنچ کر پناہ گزیں ہو جاتی ہے۔ یہاں وہ اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتا ہے

"یہ ہماری آخری جائے پناہ ہے، اور کم از کم ہم لوگ اس مقام کو اپنا گھر یا وطن کہہ سکتے ہیں۔ یہاں رہ کر دشمنوں کے ترانہ ہائے فتح وظفر کی مکروہ آوازیں ہمارے کانوں تک نہ پہنچ سکیں گی، اگر ہم زخمی بھی ہوں گے تو یہاں پناہ لینے کے بعد ہمارے اعضا مسلمانوں کے قدموں سے پامال نہ ہو سکیں گے، ہماری گرم اور خونچکاں لاشوں کو اگر وحوش وطیور نوچیں گے، کھائیں گے، تو ظالم دشمنوں کی آنکھ تو اس منظر کو نہ دیکھ سکے گی! اس لئے ہمیں ایسی ہی موت کو ترجیح دینا چاہیئے، اور ایسے مقام پر موت کا استقبال بصد مسرت کرنا چاہیئے"

جس وقت یہ جماعت اس مقام پر پہنچی، رات کا وقت تھا اور اس شکستہ آتش کدے سے رہ رہ کر اٹھنے والے شعلے ہفبید کے چہرے کو جب وہ گفتگو کر رہا تھا، نمایاں کر رہے تھے۔ اس نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا

"معاملہ اب ہاتھ سے نکل چکا ہے، انسان کے لئے جو کچھ کر سکنا

ممکن تھا، وہ اٹھا نہیں رکھا گیا، پھر اگر مادرِ وطن خود ہی اس منظرِ ذلت و خواری کو گوارا کرتی ہے کہ اس کے محارب ایک متعصب اور طالع ہستی کے سامنے سرنگوں ہو جائیں۔ اس کے متکبر فرزندوں کی عالی حوصلہ روحیں مسلمانوں کی غلامی قبول کر لیں تو کرنے دو! بالآخر ایک وقت آئے گا کہ وطن کی مایوسیاں آسمانوں سے فریاد کریں گی، اور غلامی کا بار اس قدر ذلیل و ناپاک ہو جائے گا کہ حقیر سے حقیر انسان بھی اس کو برداشت نہ کر سکے گا، حتیٰ کہ کچھ عرصے کے بعد احساسِ شرم و انفعال کی آگ اُن کے ضمیر میں جلن پیدا کر دے گی اور اُن کے بزدلانہ آنسو جو ایک غلام ہی کی آنکھ سے بہہ سکتے ہیں، قلب و جگر پر تیزاب کی سوزش پیدا کرنے لگیں گے! مگر یہ اسلحہ، جو میرے اور تمہارے ہاتھوں میں ہیں مقید نہیں ہیں یہ روحیں جو میرے اور تمہارے جسموں کے اندر ہیں غلامی کے دھبّوں سے پاک ہیں، یہ مختصر قطعۂ زمین استبداد پسندوں کے ناپاک قدموں سے نجس نہیں ہوا ہے، اور ہر چند ہم لوگ تعداد میں بہت کم ہیں، مواجِ حیات کا تلاطم ہماری رگوں کے اندر سے بسرعت نکلا جا رہا ہے، لیکن انتقام کے لئے یہ جماعت بھی کافی سے زیادہ ہے! لبنان کی وادیوں میں غروب آفتاب کے وقت حملہ کرنے والے شیروں کی طرح ہم لوگ

بھی اپنے شکار پر حملہ آور ہوں گے، اور جب وہ قلبِ جگر
جو فخر و غرور سے پھولے ہوئے ہیں ہماری تلواروں کا پیغام
وداع سن لیں گے اور ہماری امیدوں کی حرکت سکوت
سے بدل جائے گی، جسے پھر جذبۂ مایوسی کی آخری بھڑک
بھی متحرک نہ کر سکے گی، تو یہ پیغام اُن چند نفوس کا مدفن
بن جائے گا۔ جن کی بہادری گو بے نتیجہ ہو لیکن آئندہ
قوموں کے لئے دلیلِ راہ ضرور ثابت ہوگی!"

ہر چند یہ عبادت گاہ اب بالکل تباہ و برباد تھی، عہدِ قدیم کی طرح نہ وہاں پھول چڑھائے جاتے تھے نہ کوئی جبینِ عبودیت آگیں سجدہ ریز نظر آتی تھی، تاہم وہ خدا جو ان سرداروں کے آباؤ اجداد کی عبادت اور دعائے صمیم کو شنا کرتا تھا، ان سرداروں کا عہد و پیماں بھی سننے کے لئے طیار تھا انہوں نے اپنے اسلحہ معبد پر رکھ دئیے اور قسم کھائی کہ اپنے خون کا آخری قطرہ بھی ایران کی عزتِ مجروح کے لئے بہا دیں گے اور اسی شعلہ فشاں پہاڑ پر اپنی جانیں وطنِ محبوب و مقدس پر قربان کر دیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ اس مختصر جماعت کے دل جذبات وطن پرستی سے لبریز تھے، اور ان کے لئے یہ دادِ کسی طرح کم نہ تھی کہ اُن کے مصائب نے ایک دشمن لطیف، ایک دوشیزہ نازنین کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک دریا بہا دیا تھا، وہ دوشیزۂ نازنین جس کے دل کو محبت نے مصائب کے ہاتھوں سے چھوا، وہ جس کی زندگی تفکر سے اتنی ہی بری تھی جتنی کہ وہ معصیت سے

پاک تھی، اور حسن کی نیند میں ایک جھیل کے خواب پرسکون کے مانند تھیں، یہاں تک کہ دفعتہً محبت نے اپنے طلسمی سنگریزوں کی بوچھاڑ سے اس کو جگا دیا۔ امیر العزبی کی بے پروائی کی اس ہجوم و انتشار کے زمانے میں بھی اس گل سوسن کی طرح شگفتہ و متبسم تھی جو ایران کے میدانوں میں دیکھا جاتا، اور حسن کی سبزی کو عرصہ کارزار گرم ہو جانے کے بعد مقتولین جنگ کے خون نے داغدار بنا دیا ہے۔ وہ سبک رُوح دوشیزہ جو اس وقت تک باپ سے محبت کرنے کے سوا کچھ نہ جانتی تھی، اور کائنات کا کوئی واقعہ اُسے متفکر و متردد نہ کر سکتا تھا! اس وقت محبت نے اس کے تمام محسوسات کو باطل کر کے سراپا فکر و اضطراب بنا رکھا ہے! جب کبھی وہ باغیوں کا مقتل دیکھتی ہے تو ہر قتل ہونے والے گبرو پر اپنی محبت ناکام کے آنسو بہاتی ہے، اور ہر کشیدہ تلوار اُسے اپنے محبوب ہی کے خون حیات میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے۔

اب ہندہ اپنے باپ کی تلوار، پہلی سی سبک خرامی کے ساتھ اُٹھا کر نہیں لاتی، اور اگر الحسن کی آنکھوں پر پردۂ غفلت پڑا ہوا نہ ہوتا، تو وہ میدانِ قتال سے واپسی کے وقت اس کے ارتعاشِ جسم اور اس کے کھوئے ہوئے حواس کو دیکھ کر معلوم کر سکتا تھا کہ اس تبدیلی کا باعث محبت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

افسوس ہے کہ ہندہ کی یہ محبت وہ محبت نہ تھی جو اس کے معصوم دل کے لئے موجب برکت ثابت ہوتی، اس کی محبت وہ کھلی ہوئی محبت نہ تھی، جسے دنیا کی نظریں پسند کر لیتی ہیں، اور حسن کا پیمان زمین پر

باندھا جاتا ہے اور مہر آسمان پر ثبت ہوتی ہے! اس کی محبت وہ محبت نہ تھی، جو ابتسام الفت اور تعشق ازدواج کی مسرتوں کو قلب کے اندر گرہ نشاط بنا دیتی ہے! اس کی محبت کا مہلک شعلہ تو ضبط و خاموشی اور غم و انفعال کی آغوش میں پرورش پا رہا تھا، اُس کا جذبہ الفت انبساط و اُمید سے معرا تھا، اور ایک ناجائز طریقے پر حاصل کی ہوئی دولت کے مانند، اسکی رُوح کے عمق میں دفن تھا! اس کی محبت ایک ایسی مورت تھی جس کا نہ کوئی نام ہوتا ہے نہ استھان، اور جس کا حسین و سوگوار پرستار اس وقت جب کہ کائنات محوِ خواب ہوتی ہے، دیدۂ انجم کی طرح بیدار رہتا ہے!

اُس وقت کے بعد جب ہندہ نے ماہتاب کی کرنوں میں اپنے محبوب کو کشتی لے جاتے ہوئے دیکھا تھا، رات کی تاریکیاں بحر عمان کو سات بار ظلمت آگین بنا چکی ہیں، کیونکہ ہندہ کے لئے تو زوال پذیر ماہتاب بھی اب تاریکیوں سے مملو تھا۔ ہندہ ہر شب آدھی رات کو اُس غرفے میں جاکر کھڑی رہتی کہ تنہائی میں کچھ آنسو بہا سکے، وہ وسیع و عمیق فضا کو دیکھتی رہتی اور اس کا انتظار کرتی رہتی تھی جس کے تبسم نے اُسے پہلی بار رونا سکھایا تھا لیکن انتظار اور گریۂ ہجر دونوں بیکار ثابت ہوئے، اور ہندہ کو وہ کشتی پھر دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔

آج آٹھویں صبح ہے اور الحسن کی پیشانی غیر معمولی طور پر روشن ہے اُس نے ہندہ سے کہا:—

"اٹھو بیٹی! قرنا کی آواز سے تو مردے تک جاگ اُٹھے، لیکن

تم ابھی تک سو رہی ہو ! اٹھو کہ آج کا دن میرے لئے نہایت
مبارک دن ہے ، آج کی شب بستر پر جانے سے پہلے میرے
ہاتھ اُس شخص کے خون سے رنگین ہوں گے جو ہمارا سب سے
بڑا دشمن ہے !"

ہندہ کی دنیا میں ہر لفظ اور ہر جملہ کی ضمیر ، قطب نما کی طرح صرف ایک ہی ہستی کی طرف رجوع کرتی تھی ، جس وقت الحسنؔ نے یہ خبر سنائی تو اس کو شبہ پیدا ہو گیا کہ اُس شخص سے مراد اس کا محبوب ہی نہ ہو ! وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ الحسنؔ نے ہفید کا نام لے کر اُسے یقین دلا دیا اور ہندہؔ بے ہوش ہو گئی ۔ وہ قیاس کر سکتی تھی کہ اس کا محبوب ضرور ہفیدؔ کے رفقاء میں سے ہے ۔

ہفیدؔ کی مختصر جماعت میں ایک غدار وطن فروش بھی تھا جس کی سفلہ خوئی نے دولتِ دُنیا کے عوض الحسنؔ کو اس مقام پر پہنچ جانے کا راستہ بتا دیا تھا ، جہاں حریت اپنے آخرین استحکام خونیں میں پناہ گزیں تھی ۔ گذشتہ شب جب گبروں کی یہ جماعت اس بلندی پر پہنچنے سے قبل آخری جنگ میں مبتلا تھی تو وہ دشمن قوم و وطن بھی اس میں شریک تھا اور بدقسمتی سے بچ گیا تھا ۔

رات زیادہ ہو جانے کے باعث فسانہ ملتوی کر دینا پڑا ۔ لالہ رُخ اپنی خواب گاہ میں چلی گئی ، اور جب صبح اٹھی تو غیر معمولی طور پر مسرور تھی ۔ اس کے رخساروں پر گلاب کی سی شادابی و رنگینی نمودار ہو گئی تھی ۔ یہ نتیجہ تھا اک

خواب کا جو لالہ رُخ نے گذشتہ شب میں دیکھا تھا اس نے خواتین حرم سے اپنا خواب بیان کیا کہ "مشرقی سمندروں میں جہاں بحری خانہ بدوش ہمیشہ سکونت پذیر رہتے ہیں اور ایک جزیرے سے دوسرے جزیرے کو سفر کر کے ایک دائمی اور مستقل بہار کا لُطف اٹھاتے رہتے ہیں۔ ایک کشتی چلی جا رہی ہے۔ ایک چھوٹی سی کشتی اُسے اپنی جانب آتی ہوئی نظر آتی ہے وہ کشتی بالکل ایسی ہی تھی، جیسی باشندگان جزائر مالدیو ہر سال خوشبوؤں اور بخور سے بھر کر ہواؤں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ پہلی نظر میں یہ کشتی اُسے خالی نظر آئی، لیکن نزدیک آنے پر" ہنوز وہ اپنا خواب یہیں تک کہنے پائی تھی کہ خیمے کے دروازے پر فرآمرز نظر آیا۔ یہ کہنا فضول ہے کہ فرآمرز کی موجودگی میں وہ تمام باتیں بھول جاتی تھی۔ سب نے باقی فسانہ شروع کرنے کی درخواست کی، مجمروں میں تازہ بخور ڈالے گئے اور بنفشے کے نفیس شربت سے سب کی تواضع کی گئی۔ فرآمرز نے اپنے ستار کے تاروں کو درست کیا اور باقی قصہ کہنا شروع کر دیا۔

(۶)

دن ڈھل رہا ہے، سمندر کی مہیب اور خوفناک موجیں ساکن ہیں فضائے بسیط میں پھیلے ہوئے ابر کے ٹکڑے آنے والے طوفان کی خبر دے رہے ہیں۔ سطح زمین پر بھی سکوت طاری ہے اور یہ خاموشی جو سمندر کے سکوت سے بھی زیادہ موثر ہے۔

غوطہ خور، موسم کی حالت دیکھ کر کام بند کر دیتے ہیں۔ پرندوں کو

جائے پناہ کی تلاش ہوتی ہے اور ساحل پر ملاحوں کی نگاہیں آسمان کی سمت طوفان کی شدت کا اندازہ کرنے کے لئے اٹھ جاتی ہیں۔ اس پر غبار موسم میں ہندہ کا جہاز ساحل ایران کو چھوڑ کر روانہ ہوتا ہے۔ جہاز رانوں کے دستور قدیم کے مطابق اس جہاز پر سے کوئی موسیقی سننے میں نہیں آتی ہے۔ اور نہ ساحل پر، اس کے "خدا حافظ" کہنے والے ہی نظر آتے ہیں، جس سے ظاہر ہے کہ اس جہاز کی رخصت کس قدر افسردہ و خاموش ہے۔ جہاز اس طائر کی طرح جو دنیا میں کوئی نظر التفات حاصل نہیں کر سکتا سطح بحر پر رواں اور اس کشتی کی یاد کو تازہ کر رہا ہے جو ایک ہولناک خاموشی میں باب المندب کی موجوں کے رحم پر چھوڑ دی جاتی ہے۔

الحسن کی مصروفیت جنگ نے اسے اتنی فرصت نہ دی تھی کہ اپنی پیاری بیٹی ہندہ کو خیر باد کہنے کے لئے ساحل تک آسکتا۔ وہ اپنے محل میں شب آئندہ کے واقعات کا تصور کر رہا ہے کبھی تو اس کے چہرے پر غیظ و غضب کی علامتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں اور کبھی وہ مصروف دعا ہو جاتا ہے۔ الغرض ادھر وہ اپنے خونیں مقاصد کی تدبیروں میں غرق ہے، اور دوسری طرف اس کی بیٹی، حزیں و غمناک بیٹی، دور لے جائی جا رہی ہے تاکہ رونما ہونے والے مناظر قتل و خون کو نہ دیکھ سکے۔ وہ عربستان کو روانہ کی گئی ہے لیکن کیا ایک طویل مفارقت کے بعد مراجعت وطن کا خیال اس کے رخساروں کو رنگ مسرت سے روشن کر رہا ہے، کیا اس یاسمن زار کی یاد جس کی آبیاری وہ اپنے نازک و حسین ہاتھوں سے کیا کرتی

تھی، کیا ان محبوب ہرنوں کا خیال جو اپنی نقرئی گھنٹیوں سے موسیقی کی طراوش کرتے ہوئے اُس کے پاس آجایا کرتے تھے، کیا خوبصورت چڑیوں کی خوش نوائی سننے کی خواہش، کیا زبرجدی حوضوں میں سنہری مچھلیوں کی یاد، اس کے شوق کو برانگیختہ کررہی ہیں؟ نہیں، ایسا نہیں ہے! وہ تمام ساتھیوں سے علیحدہ ہوکر، ہمراہیوں سے گریز کرکے جہاز کے ایک گوشے میں تنہا بیٹھی ہوئی سوگ کررہی ہے اس کی آنکھیں ان بلند گنبدوں کو دیکھتی ہیں، جہاں چند گھنٹوں کے بعد خون کا دریا موجزن ہوجانے والا ہے، اور وہ سرتاپا لرزش بن جاتی ہے۔ اس کے دماغ میں ایک برق خیال کوندجاتی ہے۔

"آہ، وہ حسین اجنبی کہاں ہے؟ وہ جو مجھ سے اس طرح بچھڑ گیا کہاں ہے؟ دشمن، گبر، مشرک، اور اس سے بھی زیادہ بُرے ناموں کے ساتھ تجھے یاد کیا جاتا ہے، مگر اے سب سے بُرے، تو میرے لئے سب سے اچھا ہے، تیری ذات میرے لئے حسن دلکشی کی دُنیا ہے، اور تیری یاد میرے دیارِ دل کی بہترین آبادی!

"خداوندا اگر میرا اُس سے محبت کرنا (جس سے تو واقف ہے کہ ارادی نہیں) غلطی ہے تو اپنی ان خوفناک موجوں کو حکم دے کہ وہ مجھے اسی لمحے میں نگل جائیں! اے اللہ اس سے قبل کہ ایمان، وطن کی محبت اور والدین کے

فرائض، میری اس ارضی پرستش گاہ کے مقابلے میں
(جو تجھ پر روشن ہے کہ ارضی نہیں ہے) شکست
یاب ہوں تو مجھے فنا کر دے! کیونکہ اس کی محبت کا
طوفان میری ہستی کو بہائے لئے جا رہا ہے،
اور اس کے سامنے مجھ سے تیری بندگی بھی محال ہے
اگر فردوس بریں میں بھی وہ میرے ساتھ نہیں تو وہاں
کی تاریکی و تکدر مجھ سے برداشت نہ ہو سکے گا!"

ہاتھوں کے پنجے ایک دوسرے میں پیوست ہو کر رہ جاتے ہیں آنکھیں اُٹھ جاتی اور زعفرانی رخساروں پر آنسوؤں کے بڑے بڑے قطرے نور ماہ میں، ابر نیساں کے قطرات کی طرح ٹپکنے لگتے ہیں۔ اس کے لبوں سے جنہیں شعلۂ متکلم کہہ سکتے ہیں ہذیان شوق میں، بے سبحان الفاظ اور جادۂ تہذیب کی حدود سے باہر ہو جانے والے الفاظ ادا ہونے لگتے ہیں مگر اِس کا چہرہ اب بھی منور ہے، اس کی چشم سیاہ اب بھی نور سے چمک رہی ہے۔

اس وقت اُس کے ذہن و دماغ سے، سوائے ایک خیال کے ساری کائنات فراموش ہو چکی ہے۔ طغیان بحر شور فزا ہونے لگتا ہے طوفانی موجیں شب آرائیاں کرنے لگتی ہیں، تمام جہاز والے بدحواس و مضطرب ہو جاتے ہیں، لیکن ہندہ کو اصلاً محسوس نہیں ہوتا، وہ مطلق توجہ نہیں کرتی، جہاز طوفان میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بادبان اور مستول جدا ہونے

لگتے ہیں، فریادوں کا شور و غلغلہ طوفان میں اور اضافہ کر دیتا ہے لیکن یہ صرف طوفان بادباراں ہی نہیں ہے، اس طوفان میں تنہا عناصر فطرت ہی کو دخل نہیں ہے، بلکہ طوفان کے ساتھ دشمنوں کا حملہ بھی ہے تختہ جہاز پر جنگ کے نعرے بھی بلند ہو رہے ہیں، اور دست بدست لڑائی ہونے لگتی ہے! ہندہ اپنی دعاؤں کے مقبول ہونے کا یقین کر لیتی ہے، اور وقتِ آخر قریب سمجھ کر سجدہ میں گر جاتی اور کہتی ہے:۔

"الہ العالمین، مجھے معاف کر! میرے اوپر رحم کر!"

جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگتا ہے، تلواروں سے تلواریں ملنے کی جھنکاریں سنائی دے رہی ہیں، خون بہہ بہہ کر سمندر کی طوفانی موجوں کو رنگین بنا رہا ہے، اور خوفناک طوفان کے دست فنا سے ایک غیبی ہاتھ ہندہ کو چھڑا لیتا ہے۔ وہ کس کا ہاتھ تھا؟ یہ وہ خود بھی نہیں جان سکی۔ اس منظر قتل و خون ریزی میں ہندہ اس طرح کمہلا کر رہ جاتی ہے جیسے آتش فشاں کی گرم فضا میں کوئی پھول مرجھا جائے! عرشیہ جہاز، جس پر جنگ آور برسرِ مقابلہ تھے، پامال ہو کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔ بادبان جو مقابلہ آوروں کے سروں پر ایک پرچم خونین بنا ہوا تھا، دھجیاں ہو کر اڑنے لگتا ہے، برق شمشیر جو شہاب ثاقب کی طرح چمک رہی تھی اس ہنگامے میں چھپ جاتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ جملہ عناصر غیظ و غضب میں مبدل ہو گئے تھے اور اس کیفیت کے بعد اس شک اور تذبذب کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں کہ آیا انسان زیادہ غضب ناک ہے یا فطرت!

کچھ ہوش اور کچھ بے ہوشی کی حالت میں شکستہ عرشے پر ہندہ کی نظریں ایک پیکر سماوی کو دیکھتی ہیں، وہ پیکر جو اس کے دل کو منور بنائے ہوئے تھا۔ اس عالم رست وخیز اور طوفان و تباہی میں وہ حسین شکل سب سے زیادہ ممتاز نظر آتی تھی، جس طرح اندھیری رات میں عطارد جو اپنی مغرور روشنی سے باشندگان مغرب کو بہرہ ور نہیں ہونے دیتا اور تمام ستاروں میں ممتاز معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک جھلک تھی جو ہندہ کی بند ہونے والی آنکھوں نے دیکھی، یہ ایک خواب تھا جو اس کی نگاہ کے سامنے ایک لمحے سے زیادہ قائم نہیں رہا لیکن ناممکن تھا کہ یہ نظارہ اس کے محسوسات کو صدمہ پہنچائے اور حرکت میں لائے بغیر رہتا، اور یہ محسوسات ہندہ کی ایک مضطربانہ چیخ نہ بن جائے! مگر وہ قبل اس کے کہ دیکھ کر کچھ سمجھ سکتی، بے ہوش ہو گئی۔

(۷)

کارگاہ طغیان میں صرف ہونے والے عناصر بھی خستہ ہونے لگتے ہیں یعنی جب طوفان نکل جاتا ہے تو فطرت بھی ایک قسم کی تھکن محسوس کرنے لگتی ہے، جس سے ساری فضا ایک راحت بخش سکون میں غرق ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی سمندر اور زمین ایک عمیق نیند میں محو نظر آ رہے ہیں، اور محسوس ہو رہا ہے کہ صبح کی آغوش میں دن بیدار ہوا چاہتا ہے طوفانی ہواؤں کی مخالفانہ دستبرد نے جن خوشنما شگوفوں کو تہ و بالا کر دیا تھا، ان کی پنکھڑیاں اوج فضا میں نیرنگی نظر آ رہی اور آہستہ آہستہ

زمین پر گر رہی ہیں، اور ان قطرات طوفان میں جو گھاس اور پتیوں پر رہ گئے تھے، قوس قزح کی سی تابش پیدا ہو گئی ہے۔ ہوا چونکہ کسی سمت کی نہیں اس لئے ہر سمت کی ہے اور یہی باعث ہے کہ وہ اس وقت مختلف خوشبوؤں سے لدی ہوئی ہے سمندر کا نیلگوں پانی جس پر آفتاب کی تابناک شعاعیں پھیل گئی ہیں، خاموش سانسیں لے رہا ہے گویا وہ ایک ایسے عاشق کا سینہ ہے جو تازہ مبتلائے عشق ہوا ہے، اس قدر تازہ کہ اگر وہ تپش اور تڑپ میں مقید نہیں ہے تو آرام و سکون حاصل کرنے سے بھی محروم ہے!

موسم کے اس لطف فرما سکون میں، ہندہ اپنے طویل عالم بے خودی سے آنکھیں کھولتی ہے اور اپنے گرد و پیش ہر چیز کو اسی طرح ساکن پاتی ہے۔ گویا کبھی طوفان آیا ہی نہ تھا، کبھی جنگ ہوئی ہی نہ تھی۔ پانی کی کمزور موجیں کشتی سے ٹکرا رہی ہیں اور کشتی آہستہ آہستہ موجوں کے بازوؤں میں چلی جا رہی ہے لیکن گیا وہ اسی تختہ جہاز پر ہے جو اسے ساحل ہر مزیہ سے لے کر روانہ ہوا تھا، وہ جہاز جس کے تعاقب میں موت و تباہی کا فرشتہ لگا ہوا تھا؟ نہیں، وہ اپنی رشک غزال اور فخر نرگس آنکھوں کو ملتی اور دیکھتی ہے کہ وہ ایک چھوٹی سی کشتی میں ہے جس پر سایہ کرنے کو نہ تو مخملی شامیانہ ہے اور نہ کوئی پیش خدمت موجود ہے جو پر طاؤس سے اس کی خوابیدہ آنکھوں کی مگس رانی کرے، نہ اس کے لئے کوئی تکیہ ہے اور نہ بستر پر گلہائے یاسمیں منتشر ہیں، بلکہ لمبے تر نبیا کے ساتھ پھیلائی

ہوئی بھوری گھاس اس کا بستر ہے، جس پر سپاہیوں کے فوجی لبادے بچھا دیئے گئے ہیں، اور نیزوں کو کھڑا کر کے ایک آدھ بوسیدہ شال کو پھیلا کر سایہ کر دیا گیا ہے۔ کشتی کے دوسرے کنارے پر چند سپاہی پڑے ہوئے آرام کر رہے ہیں، ان میں سے بعض حلیم المزاج سمندر کو دیکھ رہے اور اپنے اپنے خیال میں غرق ہیں اور بعض پہاڑ کی بلندی کو دیکھ کر کسی اور ہی خیال میں محو ہیں، لیکن اس گروہ محاربین میں ایک عرب کی تلوار بھی اس کی حفاظت کے لئے نہیں ہے۔ ایک عمامہ پوش صورت بھی نظر نہیں آتی، بلکہ تمام ایرانی عبائیں، چمڑے کی پیٹیاں زرد رنگ کے کمر بند اور پشمینی ٹوپیاں پیش نظر ہیں۔ وہ یقین کر لیتی ہے کہ آج قدرت نے اسے سفید یا اس کے رفقاء کے قبضے میں دے دیا ہے۔ سفید یعنی اک گبر! اس خیال سے اس کا دل لرز جاتا ہے، سرد پڑ جاتا ہے، کیونکہ اسے ابتدا ہی سے اس نام سے نفرت کرنا سکھایا گیا اور بتایا گیا تھا کہ وہ شیطان سے بھی بدتر ہے! ایک ایسا دوزخی وجود ہے جو انسان اور خدا کے درمیان اپنے سائے کو حائل کر دیتا ہے! ہندہ اس وقت اسی کے قبضہ میں ہے، اسی کی قید میں ہے، تنہا اور زندہ! یہ گروہ اسی کے سپاہیوں کا ہے جو سب مشرک ہیں سب دشمن ہیں! وہ اپنے دل میں ایک خواہش کا احساس پاتی ہے، ایک امید پیدا کرتی ہے اور پھر مایوس ہو جاتی ہے۔ وہ اس گروہ پر ایک نگاہ تجسس، ایک نظر جویا ڈالتی ہے، ایسے تمکین و رعب کے ساتھ کہ درشت فطرت اور حسن سیرت سپاہی بھی تکریم و تعظیم

میں مؤدب ہو جاتے ہیں۔ گویا وہ سمجھ گئے ہیں کہ ہندہ کی آنکھیں کس کو ڈھونڈھ رہی ہیں۔ لیکن اس کی چشم امید و تحیر اپنے مقصود کو نہیں پاتی ہے، وہ پیچیدہ خیال جسے خون اور پانی کے طوفان میں دیکھنے کا اُسے وہم سا تھا پرواز خیال بن کر غائب ہو جاتا ہے! گویا وہ عالم قوس قزح کا ایک خواب پریشاں تھا جو لطیف سایہ و لطیف نور ہوتا ہے!

ملاح، تازہ قوتِ عمل کو کام میں لاتے ہیں، پتواروں کی حرکت تیز ہو جاتی اور کشتی روشن لہروں پر سرعت رفتار کے ساتھ سمندر کے آئینے کو پاش پاش کرنے لگتی ہے۔ ہندہ کو اب علم ہوتا ہے، خوف آمیز علم ہوتا ہے کہ کشتی کا مقصود ایک پہاڑی قلعہ ہے وہ عمارت بلند و مستحکم حسین کے نظارے سے اُس کا خون سرد ہونے لگتا ہے! کیونکہ وہ جانتی ہے کہ یہی وہ مقام ہے، جہاں دشمنان اسلام، کفاران ایران محصور ہیں، اور جن کی مثال اُس انبوہ عقرب کی سی ہے جو اپنے اپنے زہر کے نشے میں دائرہ دار گھوما کرتے ہیں! طوفان کے روشن سکون میں وہ تاریک پہاڑ اپنی تمام ہیبت ناکیوں کے ساتھ قائم تھا، اس کی زہرہ گداز بلندی پر شعلوں کی لالہ رنگی ایک خوں فشاں تابش معلوم ہوتی تھی اور محسوس ہوتا تھا کہ وہ منظر مہیب بتا رہا ہے کہ موت کا مسکن کہاں ہے؟

ابھی ہندہ کے دل سے خوف و دہشت کا غلبہ کم نہ ہوا تھا کہ کشتی کے لوگوں میں سے کسی کی آواز بادبان کو گرانے اور مشعلیں روشن کرنے کا حکم دیتی ہے اور چند لمحوں میں کشتی ایک پہاڑ کے دہانے پر پہنچتی ہے

جہاں پہنچ کر موجیں زیادہ برہمی کے ساتھ ٹکرا رہی ہیں کشتی اس دہانے کے اندر داخل ہوتی ہے جہاں کی تاریکی کی یہ حالت ہے کہ مشعلوں کی روشنی بھی پوری کشتی کو اچھی طرح روشن نہیں کر سکتی، اور اس مقام کی ہیبت سے ہر متنفس پر سکوت مستولی ہو گیا ہے۔ گویا آواز خود بھی اس اندھیرے کا ایک جزو ہو گئی ہے۔ بالآخر کشتی کی رفتار آہستہ آہستہ ہو کر رک جاتی اور ایک دلیر و جانباز سپاہی جست کر کے ایک چٹان پر پہنچ جاتا ہے، رسیاں پھینک دی جاتی ہیں، پتوار اُٹھا لئے جاتے ہیں، اور کشتی اپنی ڈگمگ حالت کو چھوڑ کر ساکن ہو جاتی ہے ٹھیک اس حالت میں ایک شعاع مرتعش نمودار ہوتی ہے، جس سے صبح کا گمان ہونے لگتا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہندہ اس روشنی کے منفذ کو معلوم کر سکتی، وہ ایک نظر نہ آنے والے ہاتھ کی خنکی اپنی پیشانی پر محسوس کرتی ہے۔ سراپا لرزش ہندہ کی جلتی ہوئی آنکھیں ایک کپڑے سے باندھ دی جاتی ہیں، اور وہ بستر خاشاک سے اُٹھا کر پہاڑ کی بلندی پر لے جائی جاتی ہے ہندہ جو ہر چند کچھ دیکھ نہیں سکتی اور نہ جانتی ہے کہ اس کا یہ عجیب خوفناک راستہ اُسے کہاں پہنچائے گا، ہواؤں کی بیداری سے (جو اس کے گرد و پیش متحرک ہیں) محسوس کر رہی ہے کہ اب وہ اس ظلمت سے باہر آ گئی اور فضائے روشن میں سانس لے رہی ہے لیکن افسوس، یہ کھلی ہوئی فضا پھر مفقود ہو جاتی ہے۔ اور وہ پھر ایک نمناک تاریکی میں داخل ہونے کا احساس کرتی ہے۔ کچھ دور چلنے کے بعد اک ناہموار راستہ

ملتا ہے اور چاروں طرف سے صحرائی جانوروں کی آوازیں سن کر وہ کانپ اٹھتی ہے۔ لیکن اسی حالت میں اس کے قریب سے اک آواز اس کے کان میں آتی ہے " خوف زدہ نہ ہو نیراگبر، یہاں موجود ہے " اس آواز کے ساتھ ہی ہندہ کی ساری ہستی سماعت بن جاتی ہے اور ان لفظوں کے شراب سے مسرور ہونے لگتی ہے " یہ اس شخص کی آواز تھی جس کے پہچاننے میں وہ کبھی غلطی نہیں کر سکتی تھی، کیونکہ کائنات کی تمام صداؤں میں اس کے لئے صرف یہی اک آواز تھی جو اس قدر لطیف و شیریں ہو سکتی تھی۔ ممکن ہے کہ موسم گرما کا گلاب اپنی شہد ٹپکانے والی بلبل کو بھول جائے اور اس کے بدلے کسی دوسرے پرندے کے نغمے پر اپنا حجاب رخ اٹھا دے، لیکن ہندہ اس آواز کے پہچاننے میں کبھی دھوکا نہیں کھا سکتی تھی۔

اس ناگوار و ناپسندیدہ جگہ میں، یہ خیال کہ کائنات میں جو ہستی کو وہ محبوب رکھتی ہے وہ ہستی جو عمیق غاروں میں بھی متبسم ہو کر ان کو ضو فشاں بنا سکتی ہے، اس کے قریب ہے، ہندہ کے لئے باعث سکون تھا، لیکن اس بہجت آفریں خیال سے، جو رنگ مسرت ہندہ کے چہرے پر چھا گیا تھا دفعتاً افسردگی سے بدل گیا۔ کیونکہ اسے معاً احساس ہوا کہ ہفید کو کب گوارا ہو گا کہ اس کی جماعت کا کوئی فرد ایک دوشیزۂ عرب، ایک مسلمان، اور اس شخص کی لڑکی کو، جس کے خونین پرچموں کی فتوحات نے ایرانیوں کے آتش کدوں کو سرد و بے رونق اور ایران کی

پُر فضا وسعت کو صحرا ایس تبدیل کر دیا ہے، نظر التفات سے دیکھیے؟ اور پھر یہ خطرہ کہ آنے والی رات میں، جو ایک پیغام خونیں، ایک صلائے مرگ وفنا، اپنے ساتھ لا رہی ہے۔ ان تلواروں کو کون روک سکے گا جو اس وقت تک ایرانیوں کے دلوں میں مظفرانہ اترتی رہی ہیں؟ وہ کون سا دست و بازو ہو گا جو ہندہ کے محبوب کو اس کے باب الحسنؔ کے خونِ آشامی سے محفوظ رکھ سکے گا؟ ہندہ کو اور بھی تڑپا دیتا ہے اور وہ بے اختیار کہنے لگتی ہے

"خدایا! اگر گنہگاروں کے اشکِ ندامت تیری بارگاہ میں مقبول ہو سکتے ہیں، اگر تیری چشم رحمت کا اشارہ ان کی پذیرائی کر سکتا ہے، تو مجھ خطاکار کی دعا بھی قبول فرما اور آج کی شب اسے اپنی حفاظت میں لے لے میں اس وقت تیرے تخت عظمت و جلال کے سامنے اقرار کرتی ہوں کہ یہ رات بخیر گزر جانے پر میں اپنے دل سے اس کی محبت کو جدا کر دوں گی، اس کی امید اور اس کی یاد کو دور کر دوں گی، ہر چند یہ چیزیں خود میرے دل کا جزو بن گئی ہیں، اور میرے تارِ حیات کی لرزش انہیں سے قائم ہے، لیکن میں ان کو نکال دوں گی، باہر کر دوں گی اور ایسا کرنے سے جو خونِ دل جاری ہو گا اسے میں تیرے حضور پیش کروں گی!"

وائے قادر مطلق! اس کی جان بخشی فرما اسے زندگی عطا کر،

اس میں شک نہیں کہ میرے گرم گرم آنسو، میرے انفاس
سوزاں، جو مجھے صرف اس لئے عزیز محبوب ہیں کہ وہ اس کے
لئے بہتے، خدا کا رہے، لیکن میں عہد کرتی ہوں کہ اس
ساعت کے بعد، وہ تمام تر تیرے لئے وقف ہو جائیں گے
میرا شباب جو گمراہی میں گزرا ہے، اپنے شعلہ سوزاں
کا کوئی نشان میری ہستی پر باقی نہیں چھوڑ جائے گا،
یہاں تک کہ اس کا نام بھی اس وقت کے علاوہ نہ لونگی
جب میں تیری بارگاہ میں اس ہستی محبوب کے لئے دُعا
مانگوں گی کہ تو اسے ملکوتی روح کی شعاعوں سے محروم نہ کر
تاکہ وہ بھی تیری رحمت کا کچھ حصہ حاصل کر سکے! پھر جب
تیری شانِ رحمت اس کے شامل حال ہو جائے گی تو اس کی
مثال اس آوارہ مرد ستارے کی سی ہوگی، جس کو تو نے
مکرر آسمانوں پر چمکنے کی اجازت دے دی ہو! الہ العالمین
اپنے رحم و کرم سے اس کی حفاظت کر ہم دونوں تیرے ہیں
متفقہ طور پر تیرے ہیں، زندگی اور موت دونوں تیرے
ہیں، اگر وہ آج قتل ہو گیا تو میں تباہ و برباد ہو جاؤں گی!

فسانہ یہیں تک بیان ہوا تھا کہ محفل برخواست ہو گئی۔ دوسری شام
کو جب منزل پر مقام ہوا تو خواتین نے لالہ رُخ سے التجا کی کہ وہ خواب
سنایا جائے۔ جو گزشتہ شب فرامرز کے آجانے سے درمیان میں چھوڑ

دبا گیا تھا لیکن شاہزادی لالہ رُخ ہندہ کے افسانے سے اس درجہ متاثر تھی کہ اُسے خواب کا خیال ہی نہیں رہا۔ لالہ رُخ کی مصاحب خواتین میں سے بعض ایسی بھی تھیں، جنہیں فن تعبیر سے دلچسپی تھی، اس لئے انہیں خواب کے فراموش ہو جانے سے سخت مایوسی ہوئی، کیونکہ وہ پورا خواب سُننے کے لئے اس وجہ سے بیتاب تھیں کہ جس رات شاہزادی نے یہ خواب دیکھا تھا، اتفاق سے اسی صبح، اُس نے نیلے رنگ کا ریشمی لباس زیب تن کیا تھا اور ان کے خیال میں یہ رنگ منحوس تھا۔ چنانچہ وہ بے چین تھیں کہ پورا خواب سُن کر کوئی اچھی تعبیر پیدا کریں، مگر ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔

فضل الدین اس افسانے کی بعض باتوں پر نہایت برافروختہ تھا۔ اور اس کی برہمی کا اظہار ایک سے زائد مرتبہ اس کے چہرے سے ظاہر ہو چکا تھا، لیکن چونکہ شاہزادی فسانے کو حد درجہ دلچسپی سے سن رہی تھی، اس لئے وہ کچھ کہہ نہ سکا اس وقت بھی محفل میں پہنچ کر خاموشی کے ساتھ بیٹھ گیا۔

کشمیری شاعر نے باقی افسانہ یوں شروع کیا۔

ان آنکھوں کے لئے جو آشنائے اشک نہیں، اس دل کے لئے، جو رازدارِ غم نہیں، دامن کوہسار کا سبزۂ منور، سمندر، اور پاکیزہ فضائے آسمان اک حسین و جانفزا منظر پیش کر رہے ہیں، اور اس عنبر بیز فضا میں شام کا سماں اپنے اندر وہ جاذبیت و کشش رکھتا ہے جو صرف طوفان کے بعد ہی نظر آسکتی ہے۔ مغرب کا اپنے سکون پرور ایوانوں کے دروازے کھول دینا۔ اور ایک نمناک صباحت کا آسمانوں سے کسمپاتے ہوئے

سطحِ زمین پر نازل ہوتا ایسا روح پرور منظر ہے، جو فطرت بہت کم پیش کرتی ہے۔

خاموشی و سکوت ہر طرف اور ہر شے پر طاری ہے۔ وہ ہوائیں جو کچھ دیر قبل باغوں میں مسافروں کے لئے پھلوں کو زمین پر گرا رہی تھیں اب بالکل خاموش ہو گئی ہیں امواجِ بحر بھی جن کے سکون سے ان کے اندر معدنِ گوہرین کے پگھل کر پانی میں مِل جانے کا گمان ہوتا ہے۔ نیند کے خمار میں مبتلا نظر آ رہی ہیں۔ اور جزائر بحر اپنے حسن و نزہت کے لحاظ سے سرزمینِ پرستان کے وہ جزیرے معلوم ہوتے ہیں جو اثرِ طلسم سے ہوا میں معلق رہتے ہیں۔

بندہ کی آنکھوں سے پٹی کھول دی جاتی ہے، اس کی حالت ایک مدفون مردے کی حالت سے مشابہ ہے، وہ خوف سے زرد ہو رہی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر لحظہ منکر نکیر کے آنے کی متوقع ہے، وہ اپنے رعشہ ناک جسم کو جنبش دیتی ہے، اِدھر اُدھر دیکھتی ہے تاکہ ان لوگوں کی آنکھوں میں جو اس کے گرد و پیش ہیں اپنی قسمت کا فیصلہ پڑھ سکے اس کی آنکھیں بیم و رجا کی حالت میں اس آوازِ نغمہ نواز کو ڈھونڈھتی ہیں، جو موجِ موسیقی بن کر اس کے کانوں میں پہنچی تھی، الغرض وہ اسی جستجو میں مبتلا تھی کہ "سردار ہبفید زندہ باد!" کی آواز اس کے کانوں میں آئی، پہاڑ کی چٹانوں سے ہبفید کی صدائے قدم ٹکرانے لگی، اس ہبفید کی ہوس کی شعلہ پرور آنکھوں سے شجاعانِ یمن نظر ملاتے ہوئے ڈرتے ہیں

اور حسن کا صرف نعرۂ جنگ ایک پوری فوج کو خوفزدہ و منتشر کر دیتا ہے!
ہندہ، دم بخود نظریں جھکائے ہوئے کھڑی ہے، وہ سمجھ رہی ہے کہ کسی کا شعلہ نظر اسے مسحور کئے دے رہا ہے۔

ہر چند وہ کسی چیز کو نہیں دیکھ رہی ہے مگر جاتے ہوئے سپاہیوں کی آواز قدم سنتی اور لرز جاتی ہے۔ آخر کار ہبفید اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ میں ہندہ کا ہاتھ لے لیتا ہے اور جھک کر کہتا ہے "ہندہ!" وہ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں سکتا، اس سے زیادہ کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اپنا نام اس ناقابل تشریح و تجزیہ لہجے میں سن کر ہندہ کے دل کے آخری گوشے سے ایک چیخ نکلتی ہے، اور وہ بھی اس چیخ ہی کے ذریعہ سے سب کچھ کہہ دیتی ہے تھوڑی دیر بعد وہ اپنی بے خبر نگاہیں اٹھاتی ہے تاکہ انہیں اپنے گبر کے سینے سے ملا دے۔ لیکن وہ دیکھتی ہے، کس کو ؟ اس انسان خونین اس عفریت آتشین کو، جو جنگ کا اہرمن ہے، جس کی آواز جس کی آنکھوں کی چمک، فوجوں کو بے کار و بے اعصاب کر دیتی ہے! ہاں، مگر وہ اسی وقت یہ بھی جان لیتی ہے کہ اس کا گبر محبوب، اس کا عاشق جانباز ہبفید ہی ہے! وہ دیکھتی ہے کہ ہبفید، ہندہ کے چہرے پر اسی شیرینی کے ساتھ مسکرا رہا ہے جس طرح وہ پہلی بار خود ہندہ کے قصر میں مسکرایا اور اپنے تبسم کی وہ کرنیں پیچھے چھوڑ گیا تھا جس سے ایام مابعد میں ہندہ کے عالم رویا کی راتیں منور رہا کرتی تھیں! اس کا وہ محبوب جسے اس نے ایک آوارہ وطن ممادی ہستی سمجھا تھا، وہی خوفناک ہبفید تھا!

بادِ سموم کے سیاہ طوفان میں بھی بعض لمحات ایسے ہوتے ہیں جن میں آفتاب کی خفیف و مختصر الحیات کرن نظر آیا کرتی ہے، دہانۂ آتش فشاں کے کناروں کی شعلہ ناکی بھی بعض اوقات تبسم سے مشابہ ہو جایا کرتی ہے اسی طرح حیاتِ انسانی پر بھی جب طوفانِ حوادث کا دستِ ستم دراز ہوتا رہتا ہے تو اس کے بعض لمحات منور ہو جاتے ہیں!

ہندرہ کے طوفانِ حیات کے لمحوں میں سے ایسا ہی اک لمحہ اس کے سامنے ہے۔ یہ جوان پارسی، اگرچہ اس کی اُمیدوں کا ستارہ دُھندلا ہو چکا ہے، اس کی آرزوئیں پامال ہو رہی ہیں، اس کا مقصد وحید ضائع ہوا جا رہا ہے، اس کا وطنِ محبوب، ایران، دشمنوں کا مسکن ہو چکا ہے، اور وہ خود بھی ایک مردہ و مایوس دل اپنے پہلو میں لئے ہوئے ہے، مگر وہ چاہتا ہے کہ حریت و آزادی جب اپنی آخری سانسیں لے رہی ہو تو وہ خود بھی اپنے تئیں فنا کر دے! جب کہ اُس لمحے کی لطف فرمائی میں ان التفات پرور نگاہوں میں، جو اس کی ہستی کو اپنے اندر جذب کر رہی ہیں! ایک وعدہ، ایک یقین یہ بھی ممکن ہے کہ "وہ محبت کیا جا رہا ہے اور محبت کیا جاتا رہے گا!

اُس نے اس وقت ثابت کر دیا ہے کہ دُنیا جب فطرت کو خشن و درشتی کا مرکز باور کرتی ہے، اس میں محبت کا قیام و استحکام بھی اپنی تمام تر شدتوں کے ساتھ ممکن ہے۔ وہ محسوس کر رہا ہے کہ آلام و مصائب کا لبریز پیالہ، محبت کے قطرۂ تاباں کی آمیزش سے کس قدر عجیب و غریب اور

کس قدر دل پسند ہو جاتا ہے، اور ہر چند تلخابۂ آلام کا پی جانا یقینی موت ہو، لیکن اس علم پر بھی اس کے پی لینے سے کسی کو احتراز نہیں ہو سکتا!

ہندہ، ان مسرت بار آنکھوں کے سامنے جن سے نکلنے والی نگاہیں اس کے دل کی گہرائیوں میں پہنچ رہی ہیں ہر خطرے کو بھول جاتی، اور ہر خوف و مصیبت کو فراموش کر دیتی ہے۔

یہ دونوں بندگانِ محبت، ویرانی و مسماری کے عظمت آفریں آثار کے اندر محصور کھڑے ہیں، بلندی کوہ کے نیچے وسیع میدان پھیلا ہوا ہے، جو سمندر کے وسیع دامن کو چھو رہا ہے، سامنے سمندر کی ہلکی ہلکی موجیں شام کی روشنی کا انعکاس حاصل کر رہی ہیں، سطح بحر پر بہت سی چھوٹی چھوٹی کشتیاں اپنے بادبان کھولے ہوئے آہستہ آہستہ پھر رہی ہیں گویا عقابوں نے طوفان میں بھیگ چکنے کے بعد اپنے بازو کھول دیئے ہیں

لیکن یہ دل کشا خواب بہت جلد محو ہونے لگتا ہے اور ہندہ کے خطرات پھر اس کے دل پر قابض ہو جاتے ہیں، کیونکہ آنے والی رات کا خیال ہر تصور میں آ سکنے والی ہیبت کا نقشہ اس کی نظر تخیل کے سامنے پیش کر دیتا ہے وہ جب قرمزی رنگ کے افق کو دھندلا ہوتے دیکھتی ہے، جب تاریکی کا تسلط شروع ہونے لگتا اور سطح آب کا رنگ محو ہو جاتا ہے تو وہ بے چین ہونے لگتی ہے، اور ایک اضطراب کے ساتھ آسمان کو دیکھتی ہے اور معاً اس کے منہ سے ایک آواز، ایک کراہ نکل جاتی ہے

"آہ! اس نے اسی رات کے متعلق تو کہا تھا، دیکھو رات
بڑھنا شروع ہو گئی ہے، خدا کے لئے تم یہاں سے چلے جاؤ
بھاگ جاؤ، اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو، میری محبت کا
پاس و لحاظ ہے تو ابھی وقت فرار ہو جاؤ۔ ورنہ اس کی
خونخوار سپاہ عنقریب یہاں پہنچ جائے گی جس کا انجام
اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ میں تمہارا خون زندگی بہتے
ہوئے اور تمہیں دم توڑتے ہوئے دیکھوں! دیکھو، سنو!
... کیا تم لوگوں کے آنے کی آہٹ نہیں سنتے ——؟
—— یقیناً یہ انہیں کے قدموں کی آواز ہے اور وہ لوگ
اس وقت پہاڑی پر چڑھ رہے ہیں۔ ابھی جھٹ پٹا ہے،
اور کچھ روشنی باقی ہے، جاؤ ہفید، خدا کے لئے بھاگ
جاؤ! وہ یہاں پہنچا ہی چاہتا ہے۔ اُف! ......
وہ تمہارے خون کا پیاسا ہے اس کے مزاج سے واقف
ہوں، وہ رات ہونے کا بھی انتظار نہ کرے گا۔"

خوف نہیں، بلکہ روح کی تکلیف میں مبتلا ہندہ اس سے چمٹ جاتی ہے جو اس کی اس گفتگو سے مبہوت ہو گیا ہے، ہفید اس سے کہتا ہے

"ہندہ! غموں کی ماری دوشیزہ! مجھے افسوس اور صدمہ
ہے کہ تیری اس حالت ہذیان و دیوانگی کا باعث میری
ذات ہے، جس طرح میں خود تباہ حال ہوں، اسی طرح

ہر وہ چیز جس پر میرا سایہ پڑ جاتا ہے تباہ ہو جاتی ہے
میرا مقدر بحر المیت کی ہواؤں کا سا مقدر ہے کہ جس چیز
کو وہ چھو لیتی ہیں پھر وہ زندہ نہیں رہ سکتی! آج دن
کے طوفان میں ہم دونوں کی کشتیاں کیوں ایک ہی وقت
میں بہیں؟ اس وقت جب کہ تیرے حسنِ مخزوں پر میری
نگاہیں پڑیں، اس خزانے کو دیکھ کر جسے اتفاق نے میری
گود میں لا ڈالا تھا، میں نے عہد کیا تھا کہ ان آنکھوں کے
سامنے پھر نہ آؤں گا جو انسان کو انسان نہیں رہنے دیتی
ہیں! میں نے کیوں اپنے اس عہد کو توڑا، اگرچہ وہ میرے
کرب و درد کا باعث بھی تھا؟ اور کیوں میں اس وقت
ہر ارادے سے خالی، ہر عزم سے معرا، عجز دیوانگی کی
تصویر بنا کھڑا ہوں؟ لیکن تو پریشان نہ ہو، تیری
پریشانی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہ شور و غل دریا
کے اندر موجوں کی ہنگامہ آرائی ہے۔ یہاں کسی شے
سے خوف نہ کر، اس جگہ ہم دُنیا کی، پر فساد دُنیا کی
ایذا رسانی اور اس کے خوف سے محفوظ ہیں۔ کل صبح
کے نمودار ہونے کے ساتھ ہی تو اپنے باپ کے پاس بھیج دی
جائے گی!"

ہندہ :۔ کل! کل دن کا آفتاب تو تمہاری نظروں کے لیئے

مقدر ہی نہیں ہوا ہے! اگر ہم یہاں سے بھاگ نہ جائیں گے
اسی وقت فرار نہ ہو جائیں گے تو ان وادیوں، ان بلندیوں
سے ٹکرا ٹکرا کر ہونے والے زہرہ گداز اور سامعہ سوز
نعرہ ہائے جنگ سننے کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہئے!
تمہارے ساتھ دغا کی گئی ہے، تمہارے ایک بے ایمان
و غدار رفیق نے جو اس درے کے پُر اسرار راستے سے
اور یہاں کے تمام حالات سے واقف تھا، تمہارے
ساتھ اپنی وفاداری کو، میرے باپ کے ہاتھ فروخت
کر دیا ہے۔ اس میں شک نہ کرو، یہ واقعہ ہے آج ہی
صبح میرے والد نے اپنے خوفناک تبسم کے ساتھ، جو
ہمیشہ ایسی خوشی کے موقعوں پر نمودار ہوا کرتا ہے،
مجھ سے ساری حقیقت بیان کی تھی اور اپنی نصرت و
کامیابی کے مغرور خیال میں مست ہو کر فرش پر اس طرح
پاؤں مار رہا تھا گویا اس کے قدموں کے نیچے تمہارا
قلب و جگر آخری حرکت کر رہا تھا! خدا واقف ہے
کہ مجھے اس وقت وہم و گمان بھی نہ تھا کہ اس کا دشمن
اس کا مقصود وہی جوان محبوب ہے جس کی محبت میں
میں اپنی ہستی مٹائے دیتی ہوں! اف ہنفید چلو، بھاگ
چلو، اور درے کی نگہبانی کسی اور کے سپرد کر دو۔

میں اپنی تمام امیدوں اور تمام واقعات کی جو مجھے خدا کی
ذات سے ہیں، قسم کھاتی ہوں کہ میرا کہنا بالکل صحیح ہے"

ان سرد ہواؤں سے جو چشموں کو یخ میں بدل دیتی ہیں، سرد تر اور سخت تر کر دینے والا وہ درد دل ہے جو ایک اعتماد کُن دل میں اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب اس کا اعتماد پامال کر دیا جائے، ٹھکرا دیا جائے، سفید کا دل بھی اس وقت سرد تھا اور منجمد۔ ہندہ کا التجا پرور بیان سن کر اُس نے اس برودت دل کو محسوس کیا اور شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ وہ کھڑا ہے گویا اُس کا پر حرارت خون، شرائین کے اندر جم کر رہ گیا ہے وہ تصویر حیرت بن گیا اور حرکت اُس کے جسم سے سلب کر لی گئی ہے۔ اس وقت وہ اس شخص کی طرح ہے جس پر دفعتاً جادو کا اثر ہو جائے، یا وہ اُن مرمریں مجسموں میں سے ایک مجسمہ ہے جو کلیسا کے اندر نظر آتے ہیں۔

لیکن یہ کرب آفریں برودت تھوڑی دیر میں زائل ہو جاتی ہے۔ اس کی عظمت پناہ روح پھر ایک دفعہ اپنا اصلی رنگ اختیار کر لیتی ہے اور وہ ہندہ کی موجودگی پر مسرت ساعت کے خیال میں پھر محو ہو جاتا ہے، اس کی روح نے اپنے مفتخر ترین لمحات میں کبھی اس قدر رفعت کا احساس نہیں کیا جتنا کہ وہ اس وقت محسوس کر رہا ہے۔ اس کی مطمئن اور عزم و ثبات میں ڈوبی ہوئی نگاہیں آسمان کی جانب اُٹھ جاتی ہیں، گویا قدرت کی روشنیاں اُس کی آنکھوں کے اندر منور ہیں۔

"ہاں - ایران کے مقدس نام پر قربان ہونے کا لمحہ آ پہنچا ہے اور ہر چند اس کی زندگی، اس تابش برق کی طرح جو عالم طوفان میں چمک جایا کرتی ہے - ختم ہو جائے گی، تاہم اس کی ساعتِ شہادت ایک سعادت ہو گی جو دوسروں کے لئے ایک ایسی شاہراہ شان و عظمت متعین کر جائے گی جو ہمیشہ قائم و منور رہتی ہے! اور وطن پرستاران مستقبل و شجاعانِ ظلم رسیدہ اس روشن راستے پر افسوس ناک مگر غرور آفرین نظریں ڈالیں گے! اور اس کی روشنی میں غاصبوں کے مظالم، اور سیاہ کاریوں کو دیکھیں گے اور انتقام لیں گے! پہاڑ کی یہ چٹان اس شہید کی یادگار ہو گی اور زبان حال سے فسانۂ پاستیں کو دہرایا کرے گی! یہاں شعراء اور ہیرو آیا کریں گے، یہاں ضعیف اور معمر لوگ اپنی اولاد کو لایا کریں گے، اور ان چٹانوں کا افسانہ سنگین، ان نوجوان دلوں کو ابھارے گا! ہفید کی داستانیں ان کی شجاعت میں اضافہ کیا کریں گی، اور ضائع شدہ وطن کے اس آتش کدۂ قدیم کے آستانے پر ان سے عہد و قسم لیں گی (وہ عہد جو نہ زبان کو راز وار بنائیگا اور نہ الفاظ اس کے حامل ہوں گے) کہ جب تک

زندگی کا آخری سانس ان کے اندر موجود ہے، اس
ظالم قوم کے مظالم جس کی زنجیر بے رحمی نے ایران کی
حسین گردن میں داغ ڈال دیا ہے۔ وہ داغ، جو
اب صرف دشمنوں ہی کے خون سے دھویا جا سکتا ہے
ان کے دلوں سے فراموش اور محو نہ ہوگا!"

یہ خیالاتِ تفاخر آہفید کے دماغ میں مرتسم ہیں، وہ ایک متکبر و مفتخر انداز سے اس وقت آتش کدے کے نیم سوختہ لکڑیوں کے ڈھیر کو دیکھ رہا ہے، اس خیال سے کہ یہ فرشِ شعلہ بہت جلد اس کا بستر شہادت بننے والا ہے۔

لکڑیوں کا یہ ڈھیر، جو تمام تر خوشبودار جنگلوں سے خود آہفید کے ہمراہیوں نے فراہم کیا ہے، اس لئے کہ جس وقت اس کی آخرین امید فنا ہونے لگے تو خدائے خاور کے اس معبد میں وہ لوگ ایک درخشاں موت حاصل کر سکیں، جنہوں نے اس عبادت گاہ سے عہد کیا ہے اور جن کے لئے یہ بستر آتش اتنا ہی لطف آفریں اور سکون پرور ہے، جس قدر ان کے پیغمبر اولین۔ ابراہیمؑ کے لئے نمرود کی آگ کا باغ پر بہار سکون پرور اور سلامتی بخش تھا۔

سنندہ، اس کی نگاہ کی ہر ہر حرکت کو غور سے دیکھ رہی ہے۔ اور حیران ہے کہ اس کی آنکھوں کی شعاعیں اس وقت اس قدر تیز کیوں ہیں؟ وہ اس وقت اپنے خیال میں کونسا نقشہ قائم کر رہا ہے؟ کیا

سوچ رہا ہے؟ کیا خواب دیکھ رہا ہے؟ اس ساعتِ ہلاکت میں وہ کیوں یہاں کھڑا ہوا محوِ خیال ہے؟

ہندہ اس کے سامنے اپنے گھٹنے زمین پر ٹیک دیتی ہے اور سراپا الحاح و احتجاج کی تصویر بن کر کہتی ہے:۔

"سفید، میرے محبوب سردار، میرے اولین اور آخرین آقا، اگر تم نے میرے متعلق کسی جذبے کا اس سے نصف بھی محسوس کیا ہے جس قدر کہ تمہارے جوش انگیز لبوں نے مجھ پر ظاہر کیا ہے، تو اس وقت دو زانو ہو کر (جو اس سے قبل میں اپنے خدا کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکی ہوں) تم سے بھیک مانگتی ہوں، اور اس محبت کا واسطہ دے کر بھیک مانگتی ہوں جو تمہیں میرے ساتھ ہے کہ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ابھی، اسی وقت چلے جاؤ اس وقت سے پہلے کہ ان کے نیزے اور تلواریں بلند نظر آئیں، خدارا عجلت کرو، جو کشتی مجھے یہاں تک لائی ہے ہم دونوں کو پھر سمندر کی دور افتادہ تاریکیوں میں پہنچا سکتی ہے! مشرق، مغرب، دنیا کا کوئی حصہ ہو، جس وقت تک تم محفوظ ہو، مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میں کہاں ہوں؟ اگر اسی طرح تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہو اور اسی طرح مجھ پر تمہارے ضیائے تبسم کی

بارش ہوتی رہے، تو آلام و آرام کا طوفان میرے لئے
یکساں ہے کسی ایسے ساحلِ بحر پر ہمارا مکان ہو گا،
جہاں محبت کرنا جرم نہ ہو گا اور اگر ہو گا بھی تو وہاں
ہم دونوں اپنے سروں کو جھکا کر اپنی لغزشوں کے
نامہ سیاہ کو اپنے آنسوؤں سے دھو سکیں گے، پاک
کر سکیں گے! شب و روز ہم دونوں مل کر طلب عفو
کیا کریں گے، تم میرے لئے اللہ سے طلب رحمت کرو گے
اور میں خدائے خاور سے تمہارے لئے التجائے نجات کرونگی

وہ حالتِ وحشت و سراسیمگی میں ان الفاظ کو پورا کرتی ہے اس کی گردن ڈھل جاتی ہے، آنکھوں سے غم و ندامت کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اور ہر ہچکی کے ساتھ اس کا رشتہ حیات ٹوٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے! ٹھیک اس حالت میں اگر پر شباب ہفید ایک لمحے کے لئے اپنا افتخار و شہرت، اپنا مدعا و پیمان، آتش کدہ شعلہ پرور اور وطن ایران کو فراموش کر دیتا، تو جائے حیرت نہیں! اس کے لئے جو اس کے قدموں میں پڑی ہے، اگر وہ اپنے تمام عزائم سے دست بردار ہو جائے تو مقام تعجب نہیں! اگر ایک مختصر الحیات لمحے کے لئے اس کی چشم تمنا، نمود صبح کا نظارہ کرتی ہے۔ اگر آنے والی ساعتیں اسے تبسم سے آباد و مخمور نظر آنے لگتی ہیں تو اس کو کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا وہ اس پیکرِ التجا و التماس کو اٹھانے کے لئے جھکتا ہے۔ اور اس کی

پلکوں پر آنسوؤں کے دو موتی جھلملاتے ہوئے نظر آتے ہیں. لیکن معاً نتیجے کا خیال کر کے وہ ان آنسوؤں کو پونچھ ڈالتا ہے. صبح کی جنگ میں استعمال کی جانے والی "تلواروں کو جس طرح شبنم چٹائی جاتی ہے اور وہ شبنم (جو اگرچہ تلوار کی چمک کو تھوڑی دیر کے لئے دھندلا تو کر دیتی ہے مگر اس کی آب کو داغدار نہیں بنا سکتی) پونچھ ڈالی جاتی ہے، اسی طرح اس لمحے کا تاثر ہفید کے دل و دماغ سے رخصت ہو جاتا ہے اور وہ کہتا ہے

"اگر کوئی فضا ایسی ہو سکتی ہے جہاں ہمارے جذبات
کی ناقابل فسردگی صداقت عزیز و محبوب ہے، اگر
کوئی مقام ان نفوس محبت پرست کے لئے جو ایک
بار محبت سے آشنا ہو کر پھر اس کی جدائی گوارا نہیں
کرنا چاہتے، لطف فرما ہو سکتا ہے، تو ہندہ یاد رکھ
کہ ہم دونوں اس فضائے راحت بخش میں ضرور ملیں گے!"

ہندہ ابھی یہ سمجھنے کی کوشش ہی کر رہی تھی کہ آیا ان لفظوں کے اچھے معنے لے یا برے، کہ ہفید بے تاب ہو کر گنبد کی طرف جھپٹا ہے اور وہاں سے ایک ناقوس اٹھا کر اسے بجاتا ہے ۔ اس کے رفقاء جنہوں نے اس سے عہد وفاداری کیا ہے اس صدائے ناقوس کے معنی سمجھتے اور اس صدائے مرگ کو پہچانتے ہیں (یہ قرار پا چکا تھا کہ جب موت کا پانسہ پھینک چکے گا اور امید کے قدم رکھنے کی جگہ باقی نہ رہ جائے گی تو یہ ناقوس پھونکا جائے گا) صدائے ناقوس ان

سب کو رواں دواں کھینچ لاتی ہے، اور وہ سفید کے گرد حلقہ کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

خوف سے دم بخود اور اُمید سے سراپا بیتابی بنی ہوئی سندرہ اس گروہ کو دیکھتی ہے اور سفید اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتا اور دباتا ہے۔ یہ ہاتھوں کا وہ اثرِ جذب ہے جو جدائی کے آخری موقع پر ہمیشہ محسوس ہوتا ہے، دلوں کا وہ نشف ہے جس کی جاذبائی گرفت کے ڈھیلا ہوتے ہی بعض مسرتِ خاموش و ساکن ہو جاتی ہے، لیکن یہ اختلاط مغموم و متالم بھی سندرہ کے لئے اُمید آفریں ہے۔ شوق میں آرزوئیں ضرور ہوتی ہیں مگر سندرہ کے لئے ہاتھوں کا یہ جذب اور دباؤ ایک حسرت تھی، حسرت کا ایک خاموش طوفان تھا شوق تھا، تیقن تھا، اور یکسر لطف اضطراب! چنانچہ وہ احساس کی حالت میں کہنے لگتی ہے۔

"جلدی کرو خدا کے لئے عجلت سے کام لو اندھیرا بڑھ رہا ہے
تاہم ہم رات سے قبل کشتی تک جا پہنچیں گے اور کل طلوعِ صبح
کے وقت! اُف میں اس مسرت کے خیال کو برداشت نہیں کر سکتی
تمہاری معیت میں سمندر کی سطح پر، کسی دور دراز گوشے میں، ایک
دقت کی حالت کو یاد کروں گی اور ہنسوں گی، سمجھوں گی کہ یہ ایک
منحوس خواب تھا اور تم ــ"

افسوس کہ سفید ان التجاہائے صمیم اور توقعاتِ مسرور کا کوئی جواب نہیں دیتا! سندرہ کے دل میں اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ سفید سے جدا کیجا رہی ہے

وہ اس مقام پر پہنچ جاتی ہے، جہاں آنکھیں بند ہونے کی حالت میں ہمدہ نے اس کی شیریں آواز سُنی تھی، وہ آواز جس نے اس کے تمام فاسد خیالات و خطرات کو اطمینان و مسرت سے بدل دیا تھا، اور جس کے سننے سے اس کا دل مست نغمہ و موسیقی ہو گیا تھا۔

"ہفید، پیارے ہفید، اگر تمہاری مرضی یہ ہے کہ اس رات میں تم اپنی جان ہلاک ہو جانے دو تو مجھے بھی اپنے پہلو میں مرنے کی اجازت دو، اور اپنے ساتھ رہنے دو! جس وقت تک میری روح و جسم کا افتراق نہیں ہوتا، مجھے اپنے محبوب کے نام کی برکتوں سے اپنی ساعتوں کو آباد رکھنے دو! جب ہمارے لبوں اور رخساروں کا رنگ حیات اڑنے لگے، اُس وقت ایک دوسرے کے قریب ہونے کی مہلت دو! جس وقت ہماری آخری سانسیں نکل رہی ہوں، ان کو آپس میں وصل ہو جانے کی اجازت دو! ایسے حالات و حوالی میں مجھے مر مر کے جینا اور مرنے رہنا بھی محبوب ہو گا! پیارے، تم مجھے اس عجلت و بے رحمی کے ساتھ اپنے پہلو سے دُور کر دینا چاہتے ہو، ایک ساعت کی مہلت دو! ایک لمحہ کچھ بڑی فرصت نہیں ہے! میں تم سے تمہاری خیر و عافیت کا صدقہ طلب کرتی ہوں، پیارے ہفید مجھے بھیک دو!"

راستے بھر ایک طوفان جو پتھر کے دل میں بھی ناسور کر دینے والا تھا ہندہ کے قلب محزون سے اٹھتا رہا، وہ پکاری چلائی، مگر سفید کسی طرف سے بھی آتا ہوا نظر نہ آیا۔

کس کے قلب وجگر میں یہ یارا ہے جو بتا سکے کہ محبت کا یہ افتراق آخری تھا، اور اُن کی آنکھیں ایک دوسرے کو آخری بار دیکھ رہی تھیں! ان کا خواب شیریں تمام ہو چکا تھا، اور تقدیر الٰہی جاری ہو چکی تھی، کہ عرصۂ زمین اب اُن کے اجتماع کو نہیں دیکھ سکتا؟

کس قدر رحم طلب حالت ہے کہ سفید، ہندہ کو، اس کا نام لے لیکر پکارتا ہوا سنتا ہے، لیکن جہاں ہے وہاں سے دوبارہ اس تک پہنچنے کی ہمت نہیں کر سکتا! اس کی ملتہب نگاہیں دور سے ہندہ کے منور چہرے سے نکلنے والی محزون شعاعوں کو دیکھ رہی ہیں، لیکن وہ اپنے دل کو ان سے گرم نہیں کر سکتا!

(۹)

دفعتاً کوئی آہٹ سفید کو چونکا دیتی ہے، وہ ایک مہیب شوروغل کی آواز سنتا ہے، جو سطح زمین سے اُٹھ کر پہاڑ کی سنگین دیوار سے ٹکراتی ہے۔ گویا درے کی خوفناکیوں نے جسم اختیار کر لیا ہے! غول وعفریت بیابانی اور دوزخ کے فرشتگان عذاب، متفقہ طور پر اس کوہِ عظیم کو اپنی آوازوں کی دہشت سے پارہ پارہ کر دینا چاہتے ہیں! سفید ایک لمحے تامل کرتا ہے اور خود ہی جوش میں آکر چلا اٹھتا ہے:۔

"وہ آگئے! مسلمانوں نے حملہ کر دیا، بہادرانِ وطن
کی روحو! اگر تم مقامِ اعلیٰ میں مغموم ہو، تو خوش ہو جاؤ
کیونکہ تمہاری ہم جنس روحیں بہت جلد تم سے آملنے
والی ہیں!"

ایک ایسے عزمیں مشتاق کی پرواز شوق کے ساتھ، جو اپنی عروس نو
مجلے کی طرف رُخ کرتا ہو، سفید، آتش کدے کی جانب بے تابانہ
قدم اٹھاتا ہے، اس کے تمام سردار کھڑے ہو جاتے ہیں اور اُن کی تلواریں
میانوں سے نکل کر بلند ہو جاتی ہیں، گویا ظلمتِ شب میں آن واحد کے
اندر بہت سی بجلیاں ایک ساتھ چمکنے لگی ہیں! آوازوں کا خوفناک
شور وغل، پیہم و متواتر بلند ہو ہو کر، پہاڑوں سے صدائے بازگشت
حاصل کر کے اپنی ہیبتوں میں اضافہ کر رہا اور ہر آن قریب تر ہوتا جا رہا
ہے! والہانِ وطن و حریت، آوازوں کے جواب دینے کے لئے تلواروں
کے قبضے مضبوط پکڑے ہوئے اپنے سردار کے اشارہ چشم کا انتظار کر رہے
ہیں، جن کی غیرت دشمنوں کے نعرہ ہائے جنگ کی آوازوں سے زخمی
ہوئی جا رہی ہے! اور اب خاموش کھڑا رہنا انہیں بے تاب کئے دیتا ہے۔
سفید اُن کے احساس کو سمجھ لیتا ہے۔ کیونکہ خود اس کے محسوسات
اس سے مختلف نہ تھے۔ وہ ان کو مخاطب کرتا ہے:۔

"اے بہادر سردارو! جس وقت تک ہماری کمر میں بندھے
ہوئے نیام، آبدار تلواروں کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے

ہیں کیا ہم اپنی قلت تعداد کا خیال کر کے بزدلوں کی طرح جانیں دے دیں گے ؟ کیا ہم صرف اپنی جانیں ہلاکت میں ڈال کر خاموش ہو جائیں گے ؟ کیا ہماری تلواریں، اپنے شکار کا خون پیئے بغیر، ایک مسلمان کے دل میں پہنچنے کی راحت حاصل کئے بغیر، مفتوح، ہو جائیں گی ؟ ہر چند کہ دنیا کی تمام امیدیں تباہ و پامال ہو جائیں، لیکن انتقام کا جذبہ اس کے بعد بھی ہمارے پاس رہ جاتا ہے ! یہ کوہستانی وادیاں اور غار نظر آ رہے ہیں، ہم ان کو ہیبت زدہ ذہن انسانی میں ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیں گے، اور زمانہ مستقبل کے ظالم و غاصب اپنے مفتوحین کی زبانوں سے اس درۂ خونین کا افسانہ سن سن کر لرز جایا کریں گے ! ہاں بہادرو بڑھو یہ مقام موت اور غلامی سے بچنے کے لئے ہماری جائے پناہ ہے۔ لیکن بہترین بستر اس کا بستر ہے جو مقتول مسلمانوں کی لاشوں پر آرام کرے !

پہاڑ کی چوٹی سے سر بازان وطن و حریت کی یہ مختصر جماعت، جس کو جوش و شجاعت نے چند در چند بنا دیا ہے، روانہ ہوتی ہے، دشمن ہنوز پہاڑ کے دامن میں ہیں اور بے شمار مشعلوں کی روشنی میں راستے کی تلاش میں اس طرح سرگرداں ہیں، جس طرح گولکنڈہ کی وادی میں

خوفناک افعی غصہ میں بھرا ہوا چمکیلے راستے پر پھرتا رہتا ہے۔ سرفروشانِ آزادی کے لئے کسی مشعل کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ اُس پراسرار مقام کے تمام پرپیچ وخم راستوں سے واقف تھے اور اس مقام کی وحشت وہیبت سے اس قدر مانوس تھے کہ جنگل کے جانور بھی ان سے رم نہ کرتے تھے۔

عربوں کو پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے سے قبل ایک نہایت تاریک مقام طے کرنا پڑتا تھا، اس کا جائے وقوع ایرانیوں کی مختصر جماعت کے لئے بہت کارآمد تھا، دن کے طوفان نے اس تنگ و مسقف گزرگاہ کو پانی سے لبریز کردیا تھا۔ منتقمین ایران کی جمعیت اس مقام پر پہنچ کر ٹھہر جاتی ہے اور نہایت خاموشی کے ساتھ دشمن کا انتظار کرتی ہے۔

عربی سپاہ اس راستے میں داخل ہوتی اور پانی میں گھس پڑتی ہے لیکن انہیں گبر مجاہدین کا وہاں پوشیدہ ہونا معلوم ہوتا ہے تو اشارۂ قتل و خون دے دیا جاتا ہے۔

جنگجویانِ ایران کی تلواریں اگر قطعاً کند و ناکارہ نہیں ہوگئی تھیں تو ان کی روانی و کارفرمائی کے جوہر آزمانے کا اس سے بہتر موقع کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ جو عرب سپاہی بڑھتا ہے ایک گبر شاہیں اس کی پیشانی کا خیر مقدم کرنے کو تیار ملتا ہے، اور یکے بعد دیگرے عربوں کی لاشیں پانی میں گرنے لگتی ہیں، اور ان غرق ہوتی ہوئی لاشوں پر نئی نئی ٹکڑیاں آ آکر قائم ہوتی جاتی ہیں، یہاں تک کہ رفقائے سفید کا

آخرین بازوئے متحرک اپنی طاقت صرف کر چکتا ہے۔ اس جنگ سے قبل کسی حملہ آور جماعت کا خیر مقدم اس درجہ خونیں نہ ہوا ہوگا! اور وطن پرستانہ انتقام کے مندر پر ایسا خوفناک چڑھاوا شاید ہی کبھی پیش کیا گیا ہو!

نصف افسردہ و نصف روشن مشعلوں کی روشنی حیاتِ بشری کی تباہی کا پرہیبت منظر پیش کر رہی ہے۔ تڑپنے والے اعضائے بریدہ غلطاں سر، جلتے ہوئے لباس اور شکستہ تلواریں، اس مہیب دریائے خون میں تیر رہی ہیں! طوفانِ خون و آتش میں غرق ہونے والے چیخ رہے ہیں بعض سپاہی ان خون کے دریا میں ڈوبنے والوں کا سہارا پا لینے کی ہتنا باغ کوششوں میں اُن کی گرفت میں آجاتے اور اپنے رفیقانِ حرب کے ساتھ خود بھی غرق ہو جاتے ہیں۔

لیکن ان صدہا، ہزارہا انسانوں کا خون بھی نتیجہ خیز نہیں، کیونکہ اسی قدر دوسرے لوگ ان کی جگہ لے لیتے ہیں، اور ان کی تقدیر کو اپنا مقدر بنا لیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ موسمِ برشگال میں ایک شعلہ پر بے شمار پروانے آ آ کر فنا ہوئے جا رہے ہیں۔ الغرض سپاہِ عرب سے وہ نالہ پٹ جاتا ہے اور لاشوں اور قریب الموت جسموں کی ایک سڑک پر سے سپاہ عرب گزرنے لگتی ہے۔ اب چند آتش پرست نفوس اپنی تنہائی و بے کسی میں ساری امیدوں کا خاتمہ سمجھ لیتے ہیں! تاہم ان کی آنکھوں میں سے انتقام کے شعلے نکل رہے ہیں، ان کو احساس ہے کہ دشمنوں کا ہجوم کسی طرح بھی

مفتوح نہیں ہو سکتا، لیکن ذلت و انفعال کے جذبۂ سوزاں سے یہ لوگ دل ہی دل میں جلے جا رہے ہیں۔

مسلمانوں کی بے شمار فوج نے ان میں سے بعض کو کوئی حرکت بھی نہ کرنے دی اور بعض کو دل کے حوصلے نکالنے کا موقع مل گیا۔ اب جو کچھ باقی رہ گئے ہیں وہ مصروفِ کارزار ہیں۔ ان کی نہایت مختصر جماعت (جو جماعت نہیں کہی جا سکتی) دشمنوں کے حملے کا جواب دیتی ہوئی پیچھے ہٹنا شروع کرتی ہے۔ بقید اور اُس کے چند رفقاء شدید مقابلہ کر رہے ہیں۔ وہ کم از کم چند لمحوں کے لئے تو اپنی شدت جنگ سے دشمن اور مقدر دونوں کو پاس نہیں آنے دیتے۔ بالآخر وہ اس مقام محفوظ و بلند پر پہنچ جاتے ہیں، جسے ان لوگوں نے اپنی آخریں جائے پناہ تصور کر رکھا ہے، اور جہاں قتل و ہلاک ہو جانے کے لئے وہ بالکل آمادہ و تیار ہیں۔

سپاہ عرب راستہ نہیں پاتی ہے۔ اس کا شکار نکل گیا ہے۔ نہ کوئی رہنما ہے اور نہ کوئی مشعل۔ وہ نہایت پریشانی اور تذبذب کے عالم میں بڑھتے ہیں اور جس قدر سعی مایوسانہ کرتے ہیں اتنا ہی غلط راستہ اختیار کر لیتے اور ایسے مقام پر جا نکلتے ہیں، جہاں سے بلندی کوہ کی روشنی بعید ترین مقام پر نظر آتی ہے۔ وہ اس ناکامی سے وحشت زدہ ہو جاتے ہیں۔ رات کی تاریکی میں اکثروں کے پاؤں ڈگمگا جاتے ہیں۔ بعض تو غار کی گہرائی معلوم کرنے کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں۔ اور بعض کسی درمیانی چٹان سے لپٹ کر معلق ٹنگے رہ جاتے ہیں۔ افراتفری کے اس لمحے میں

بلند ہونے والی فریادیں غاروں کے اندر سے خوفناک صدائے بازگشت پیدا کرنے لگتی ہیں۔

یہ فریاد و نالہ اور اس کی صدائے بازگشت، ہفید کے کان میں گونجتی ہے۔ وہ یکہ و تنہا پہاڑ کی بلندی پر پڑا ہوا ہے۔ وہ اس قدر مجروح و خستہ ہے کہ سانس کی آمد و رفت بھی نہایت ضعیف ہے، اس کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے پندار میں تمام فرائض زندگی سے سبکدوش ہو چکا ہے، اس کی تلوار اس کے پاس رکھی ہے گویا اس کا آخری پیشکش خونیں مقبول ہو چکا ہے، اور شاید سرزمین فارس اس سے زیادہ کی طالب بھی نہ تھی۔

اس کا خانۂ دل اور عرصۂ دماغ اب صرف ایک خیال کی جولان گاہ بنے ہوئے ہیں، ایک شعاع آخریں ہے جو اس کے دھندلے خواب پر اپنی کمزور روشنی ڈال رہی ہے۔ ہندہ کا تصور اس کے دل پر کبھی اس شدت سحر آفرینی کے ساتھ قائم نہ ہوا تھا۔

دفعتاً اس کے پہلو سے ایک آواز اُٹھتی ہے، وہ اپنے نہایت عزیز رفیق کے لہجے کو پہچان لیتا ہے جو ساری جماعت میں تنہا باقی رہ گیا ہے:۔

"میرے آقا، کیا اب ہم یوں ہی ہلاک ہوں گے؟ دشمن ہم کو گھیرے ہوئے ہیں اور آتش کدہ ہم سے اس قدر نزدیک ہے کہ ہم ہنوز مسلمانوں کی زنجیر غلامی سے محفوظ نہیں ہیں!"

یہ الفاظ ہفید کے آخریں احساس شجاعت و غیرت کو جوش میں لے آتے ہیں اور وہ مجسمۂ اضطرار بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے سامنے جسم سے خون جاری ہے اس لئے اپنے تنہا رفیق کا سہارا لیتا ہے اور چونکہ وہ بے حد نحیف ہے اس لئے وزنی بھی ہو گیا ہے۔ وہ پہاڑ کے تکلیف دہ راستے پر چلتا ہے اور ہر ہر قدم پر موت سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ یہ دونوں پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں اور دونوں کے زخموں سے خون جاری ہے۔ جہاں جہاں اس کا قدم پڑتا ہے، جس جس پتھر کا وہ سہارا لیتا ہے سب سُرخ ہوتے جاتے ہیں، وہ اپنی تلوار سے لکڑی کا کام لیتا ہے اور ایک دفعہ جو زور پڑتا ہے تو تلوار کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ آہ، ہفید! وقت آخر میں تیری تلوار نے بھی بے وفائی کی! دشمنوں کے نزدیک ہونے کی خبر ان کے نعروں سے ملتی ہے اور یہ دونوں اپنی رفتار کو تیز تر کر دیتے ہیں۔ شعلہ آگین خانقاہ کی دیوار کا سہارا لیکر وہ اپنے مقام مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور ہفید اپنی نظریں معبد کے مقدس شعلوں پر جما دیتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اس کا تنہا و آخری ہمدرد بھی آتش کدے کے آستانے پر گر جاتا اور اس کی رُوح جسم سے رخصت حاصل کر لیتی ہے! وہ دیکھتا اور پکارتا ہے۔

"افسوس! بہادری کے فرشتے، وفاداری اور رفاقت کی رُوح بڑی عجلت کی! لیکن ان تقدس مآب شعلوں کی قسم میں تیری لاش کو یہاں خشک ہوتے رہنے اور ظالم دشمنوں کے قدموں

میں پامال ہونے کے لئے یہیں چھوڑ سکتا ہوں!"

یقین نہیں ہو سکتا کہ اس زار و مجروح حالت میں حسب طاقت کا ثبوت اس نے اپنے رفیقِ آخرین کی لاش اٹھا کر پیش کیا وہ کوئی انسانی قوت تھی یا کیا؟ وہ یقیناً ایک معجزہ تھا اور یہ طاقت اُسے کسی اور ہی عالم سے اس وقت عطا کی گئی تھی! موت کے پسینے سے غمناک ہاتھ شہیدِ وطن کی لاش کو اٹھا لیتے اور شعلوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اس فرض ہم نشینی سے سبکدوش ہو کر خوشبودار لکڑیوں کے انبار سے بہت سی لکڑیاں لاکر نذرِ آتش کرتا ہے، شعلے اور بھی بلند ہوتے اور اپنے حقیقی ملجا کی سمت صعود کرنے لگتے ہیں۔ تابشِ شعلہ جب سطحِ آب پر منعکس ہوتی ہے۔ تو گمان ہوتا ہے کہ بحرِ عمان کی تہہ میں ایک ہجوم برق پنہاں ہو گیا ہے۔

"ہاں، خدا خود آزادی و حریت ہے! اور اے حریت، اے

خدا، میں تیرے ہی پاس آتا ہوں!"

سفید کی زبان سے یہ لفظ ادا ہوتے ہیں اور پھر ایک افتخارانہ تبسم کے ساتھ وہ پیکرِ شباب و مجسمۂ شجاعت اس چشمۂ نور میں غوطہ زن نظر آتا ہے! اور قبل اس کے کہ آگ کے شعلے اس کے اعضا و جوارح کو اپنی ہستی مقدس میں شامل کر لیں، اس کی روح فضائے حریت میں تحلیل ہو جاتی ہے۔

سطحِ عمان سے ایک چیخ بلند ہوتی ہے، یہ چیخ اس کشتی سے اٹھتی ہے جس پر ہندہ سوار تھی۔ یہ سمجھ کر کہ ہندہ کو بخیر و عافیت اس کے باپ کے پاس پہنچا دینے کے صلے میں الحسن ان لوگوں کی جو اس کے ساتھ

جائیں گے جان بخشی کر دے گا، اس نے ہندہ کو اس کشتی میں سوار کر کے روانہ کر دیا تھا۔ یہ لوگ ہفید کے دردناک انجام سے بے خبر اپنی کشتی کو تھوڑی ہی دور لے جانے پائے تھے کہ مقابلہ شروع ہو گیا تھا، جس کی آوازوں کو سن کر ان لوگوں نے چپوؤں کو بیکار کر کے کشتی کو ہواؤں کے سپرد کر دیا تھا۔ اور کامل سکوت میں ہر متنفس کی آنکھیں آتش کدے کے مدہم شعلوں پر لگی ہوئی تھیں۔

ہندہ کے کرب اور دہشت کا بیان تخیل کی طاقت میں بھی نہیں ہے، اس کی اس نزع خاموش کی تکلیف ایک ایسا نقش ہے جو صرف انہیں قلوب پر منقوش ہو سکتا ہے جن پر یہ حالت گزر گئی ہے وہ اس وقت ایک پامال مقدر ہستی ایک ہجراں زدہ دماغ تھی اور ایک شکستہ و برباد دل! کثرتِ غم اور شدتِ خوف سے ہیبت و سوگواری کی ایک برودت اس کے سارے سینے پر قابض تھی۔ ہر چند اس کے عمق دل میں امید کی روشنی افسردہ ہو چکی ہے۔ لیکن اس امیدِ شوق انگیز کا تصور بھی اس کے ڈوبتے ہوئے دل کو اور پامال کیے جا رہا ہے۔

ایک بد نصیب ہستی خواہش و امید کو رخصت کر دینے کے بعد بھی اس ناقابل برداشت بوجھ کے نیچے پستی رہنے کے لئے زندہ رکھی جاتی ہے! لیکن وہ زندگی ایسی ہے جیسے برف کی سنگین چٹانوں کے اندر ذی روح اشیاء کا وجود!

❖

(۱۰)

لڑائی کا شور پھر جاذبِ توجہ ہو جاتا ہے اور بہادرانِ کشتی ہر چند کچھ کر نہیں سکتے، مگر سریع الحرکت دل لئے ہوئے کشتی کے کنارے پر آ کھڑے ہوتے ہیں اور حالتِ اضطرار میں بلا ارادہ ان کی تلواریں نیم عریاں ہو جاتی ہیں۔ مگر انہیں کیا معلوم کہ جو کچھ ہونے والا تھا ہو چکا اور اب یہ تلواریں نذرِ مورچہ ہو جانے والی ہیں، وہ جس کی آواز پہ یہ لوگ موت کی بارش کر دیا کرتے تھے، خود بھی مہمانِ مرگ ہوا چاہتا ہے!

نعرۂ ہائے جنگ کو سُن کر یہ لوگ لڑائی کی حالت کا پتہ چلانے کی سعی کر رہے ہیں، حالانکہ اگر وہ چاہیں تو اس فسردہ و غیر متوجہ ہستی سے جو سردِ مستول کے سہارے لگی بیٹھی ہے سب کچھ سُن سکتے ہیں جس بات کے معلوم کرنے کے لئے وہ بے چین ہیں اُسے تیقن کے ساتھ معلوم ہے اور بتا سکتی ہے کہ اس کی رُوح کا اوّلین و آخرین مقصودِ پرستش اس بارشِ خون و آتش میں پڑا ہوا اپنا خون بہا رہا ہے!

پہاڑ کی چوٹی پہ ایک مشعل متحرک ہوتی ہے اور اسی حالت میں ہفید تصویرِ خیال بنا ہوا اس روشن آگ کے سامنے نظر آتا ہے۔ ہندہ کی مژگانِ غم چکاں متحرک ہو جاتی ہیں، وہ بلند شعلوں کو دیکھتی ہے اور "ہاں وہی ہے!" کی ایک بے تابانہ چیخ اس کے منہ سے نکل جاتی ہے لیکن وہ پیکر نظروں سے پوشیدہ ہو جاتا اور موت کے شعلے بلند ہوتے رہتے ہیں۔

ایک دلدوز و دل شکن، وحشت ناک و وحشت آفریں آواز پھر ہندہ کے منہ سے نکلتی ہے اور وہ ایک جست، ایک پرواز کرتی ہے، گویا وہ خود بھی انہیں شعلوں میں جاکر مل جانا چاہتی ہے، جہاں ہنوز اس کی نگاہیں جمی ہوئی تھیں! اور ان شعلوں کو دیکھتے ہی دیکھتے ہندہ، موجوں کی آغوش میں چھپ جاتی ہے! عمق بحر میں جہاں اب کوئی فکر اس کے معصوم دل کو زیر و زبر نہیں کرتی، ہندہ محوِ خواب ہے!

عمق بحر کی ملکہ، بنت البحر نے کہا:۔

"خوش آمدی، دوشیزۂ عرب خوش آمدی! عمان کے بحر اخضر میں اس وقت تک ایک بھی ایسا گوہر شہوار پیدا نہیں ہوا، جس کی آب و تاب تیرے جلوے کے مقابلے میں لائی جاسکے! ایک بھی دُرِ یتیم، ان کناروں سے ایسا نہیں نکلا جس کی عفت کا ذکر تیرے نام کے ساتھ لیا جاسکے۔

"اے اُن گلہائے بحر سے زیادہ حسین و نازک جو تیرے گرد و پیش شگفتہ ہیں! محبت کا جادو چلنے سے قبل تیرے قلب معصوم کی بانسری کی آواز کس درجہ سبک تھی لیکن محبت کی جنوبی ہوائیں چلتے ہی اس بانسری کو موسیقی سے معرا کر دیا گیا۔

"مگر سرزمین عرب کی دوشیزہ لڑکیاں اور ان کے عاشقان باوفا اس دختر عرب کو ہمیشہ یاد رکھیں گے

جو مرواریدی جزیروں کے بستر بحر پر آسودۂ خواب ہیں اور جب فصل خرما کی مسرت باریاں شباب پر ہوا کریں گی، اور جوان اور بوڑھے نخلستانوں کو جایا کریں گے تو ان میں کی مسرور ترین ہستیاں غروب آفتاب کے وقت اپنی اس تفریح سے واپس ہوتے ہوئے تیرا افسانہ سُن سُن کر اپنے آنسوؤں کی نذریں چڑھایا کریں گی! گاؤں کی لڑکیاں جب تہوار کے دنوں میں اپنے سیاہ و دراز بالوں کو پھولوں سے آراستہ کریں گی اور تیرے ارمان حیات کا خیال کریں گی تو گیسوؤں کی لٹیں اُن کے ہاتھوں سے چھوٹ جائیں گی! اور وہ اشکِ تاسف بہاتی ہوئی آئینوں کے سامنے سے اٹھ جایا کریں گی! ماورا ایران بھی جو تیرے ہیرو کی دوسری محبوبہ ہے، تجھے فراموش نہیں کر سکتی، اگرچہ جب وہ تم دونوں کے لئے چشم پرآب ہو گی تو ظالمان با اختیار اس کی آنکھوں کی بھی نگرانی کریں گے، لیکن وہ تجھے اپنے ہیرو کے پہلو میں قریب ہے، قریب تر جگہ پر سلائے گی اور اپنے دل کے عمق میں تیرا شوالہ قائم کرے گی! خوش آمدی مہمان جمیل، خوش آمدی! ہمارا فرض ہے کہ تیرے بالش راحت کو سمندر کی حسین ترین چیزوں سے آراستہ کریں جو نور کا

ہر پھول اور موجوں کے تمام جواہر تیرے بستر کو سٹیریں اور تیری نیندوں کو منور بنائیں تو اس خوش رنگ عنبر کی دمک میں مصروفِ راحت ہو، جس سے زیادہ تیز عنبر طائرِ بحر کی آنکھوں سے کبھی نہیں ٹپکا، اور قصرِ صدف جس میں بنات البحر شب ماہ میں خوابیدہ ہوتی ہیں تیری خواب گاہ بنایا جائے گا! آرام کر کہ شاخ مرجان کے باغات سے گلرنگ قلمیں لا کر تیرے سرہانے لگائی جائیں گی اور بحرِ قزوین کی تہہ میں سے زرین لا کر تیرے بستر پر بچھایا جائے گا۔" خدا حافظ، خدا حافظ! جس وقت تک حسینانِ جہاں اور شجاعانِ زمانہ کے دلوں میں جذبہ استرحام موجزن رہے گا، وہ اس دوشیزہ کے لئے جو آغوشِ امواج میں محوِ خواب ہے اور اس سردار کے لئے جو بلندی کوہ پر اپنی خاکستر میں آسودہ ہے روئیں گے! خدا حافظ ہندہ خدا حافظ!"

جس سکوت اور خاموشی کے ساتھ فضل الدین نے اس مثنوی اور بالخصوص اس کے آخری حصے کو سُنا وہ اس قدر غیر معمولی بات تھی کہ شاہزادی اور فرامرز دونوں سخت متعجب ہوئے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ فضل الدین کئی دن سے اس نوجوان شاعر کے خلاف یہ تجویز مرتب کر رہا تھا کہ کشمیر پہنچتے ہی شاہِ بخارا کو اس کے ملحدانہ اور خطرناک خیالات

کی اطلاع دے کر سزا دلائے گا اور اس لئے وہ خاموش تھا۔

کاروانِ شاہی دریائے اٹک کو عبور کر چکا تھا اور اہلِ قافلہ حسن ابدال کی اس فضائے رنگین میں خیمہ زن تھے جسے تمام شاہانِ مغلیہ بلا استثناء پسند کرتے چلے آئے تھے۔

لالہ رُخ نے جب اس پُر فضا مقام کو دیکھا تو اس کے دل میں اس آرزو کا احساس پیدا ہوا کہ کاش وہ اس وادی میں ایک ایسی زندگی بسر کر سکتی جو محبت سے معمور ہو۔ وہ بخارا کا تخت و تاج اور اس کے شاہانہ لوازم عیش و راست سے دستبردار ہونے کے لئے آمادہ تھی، اگر اس فضائے خاموش میں صرف دو چیزیں (فرامرز اور محبت) اس کے پاس چھوڑ دی جائیں۔ لیکن وقت کی رفتار اُسے سریع نظر آتی تھی اور وہ گھڑی دور نہ تھی جب فرامرز اس سے چھن جانے والا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ لالہ رُخ ان چند آخری ساعتوں کو جو ہر چند المناک تھیں عزیز تر اور گراں بہا سمجھنے لگی تھی۔ اور اس کا دل ان لمحاتِ محبوب سے اس درجہ وابستہ ہو گیا تھا کہ گویا اس کی زندگی انہیں کے وجود سے قائم تھی۔ یہ ایک واقعہ تھا کہ شاہزادی ایک گہرے اور شدید غم میں مبتلا ہو گئی تھی جس میں سے اسے سوائے نوجوان شاعر کی موجودگی کے کوئی شے باہر نہیں نکال سکتی تھی۔

خانقاہوں اور مقبروں کی ان شمعوں کے مانند، جن کا شعلہ صرف اس وقت نظر آتا ہے جب ہوا کا کوئی جھونکا اندر پہنچ جائے، لالہ رُخ کی آنکھیں

بھی فرامرز کے جلوۂ خورشید کا پرتو حاصل کر کے متبسم اور منور ہو جاتی تھیں،
اور اس جانفزا وادی میں پہنچ کر تو اس کا ہر ہر لمحہ ایک مستقل لطف و لذت
ہو کر رہ گیا تھا! فرامرز تمام تمام دن اس کی حضوری میں موجود رہتا، اس لئے
وہ ہر وقت اہل زنج کی طرح مسرور رہتی جو کسی ایسے ستارے کے مبارک
اثر سے جو ہر شب ان کے سروں پر بلند ہو کر تمکتا اور خوش بختی کے اثرات
چھوڑ جاتا ہے دائم مسرور رہتے ہیں۔

ایک دن شام کے وقت شاہزادی کی صحبت میں ملکہ نور جہاں کا تذکرہ
ہو رہا تھا۔ فرامرز نے کہا:-

"مجھے ایک نہایت مختصر نظم یاد آ گئی ہے جس کی ہیروئن ملکہ نور جہاں
ہے۔ اس افسانے میں اس واقعہ کو نظم کیا گیا ہے جب ایک مرتبہ شاہنشاہ
جہانگیر جشن شگوفہ کے موقع پر مع اپنی ملکہ کے موجود تھا اور کسی خاص بات
پر ان کا باہم اختلاف رائے وجہ افتراق بن گیا تھا۔ اور پھر ہجر کی ساعتیں
جن سے دونوں کی زندگی کچھ دنوں تک برباد رہی، وصال سے مبدل
ہو گئی تھیں" چونکہ لالہ رُخ کے لئے اس سے زیادہ مسرت بخش کوئی اور
بات نہ ہو سکتی تھی، اس لئے اس نے ایک تبسم مسرور کے ساتھ اس واقعہ
کو سننا چاہا۔ جسے فرامرز نے یوں سنانا شروع کیا۔

نور محل

وادی کشمیر، اُس کے عدیم المثال گلاب اور سیوتی کے وسیع تختوں اور اُن کی شادابی کا ذکر کس نے نہیں سُنا ؟ وہاں کے دل کش کنجوں اور شفاف چشموں کی لطافت کے فسانے کون نہیں جانتا ؟ وہ چشمہ ہائے شفاف، جو محبت کا مسکن بننے والی آنکھوں کی طرح ہر وقت منور نظر آتے ہیں، کسے یاد نہیں آتے ؟

اس وادیٔ حسین کا منظر، جب آفتاب غروب ہو رہا ہو، صرف آنکھ ہی دیکھ سکتی ہے کیونکہ اس کی سحر زائیاں الفاظ میں محدود نہیں ہو سکتیں۔ گرمیوں کی شام کو آفتاب کی آخری درخشاں شعاع جھیل پر اس طرح منعکس ہوتی ہے، جس طرح کوئی نئی دلہن وقت شب اپنے حجلۂ عروسی میں جاتے ہوئے آئینہ پر ایک آخری نگاہ ڈالتی ہے اور کسی بات کا خیال اس کے چہرہ کو رنگ انفعال سے رنگ دیتا ہے۔ ابرگ زاروں کے اندر نیم مستور سربلند معابد کا اس فضا کے تقدس میں اضافہ کرنا، مؤذن کی مقدس موسیقی کا بلند ہو کر فضاء پر محیط ہو جانا، مجوسی معابد سے بخور کا بلند ہو ہو کر ہوا کو معطر کرنا، اور مندروں کے سامنے رقص کا اپنے ماحول کو مرتعش رکھنا، یہ وہ

معمولی مناظر ہیں، جن سے وہاں کی سرزمین ہر وقت معمور نظر آتی ہے۔
اس نزہت گاہ کا منظرِ لطیف، جب ماہتاب ایک سیلِ نور جاری کردیتا اور اپنی لطافت بار روشنی سے باغات و معابد کو حسین تر بنانے ہوئے آبشاروں کے اندر شہاب ثاقب پیدا کرتا ہے، وہ حالت و کیفیت ہے کہ حواس انسانی تاویل کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔

غروب آفتاب اور نور ماہ کے علاوہ اس جلوہ گاہِ فطرت کے مطالعے کا وقت نمودِ صبح کی ساعت بھی ہے، جب کہ اس کے تدریجی طلوع کے ساتھ دن کی روشنیاں، ہر لمحہ میں ایک نیا جادو جگاتی ہیں اور رنگین پہاڑیاں سفید گنبد، گوہر بار فوارے، سیال چشمے، غرض ہر شے تاریکی کے غلاف سے اس طرح باہر نکل آتی ہے گویا وہ آفتاب کے اندر سے پیدا ہوئی ہے۔

جب نکہتِ صبح کے ساتھ ہی پھولوں کے اندر سے انگڑائیاں لیتی ہوئی نکلتی ہے اور مستِ تعطر نسیم، رندانہ وضع کے ساتھ بیدِ مجنوں کی شاخوں سے کھیلنے لگتی ہے، یہاں تک کہ وہ سراپا لرزش بن جاتی ہیں تو وہ عالم ہوتا ہے، جسے دیکھ کر جینا دشوار ہو جاتا ہے۔ لیکن آج تک برشگال کی شبنمی راتوں اور تابستان کی نورانی صبحوں نے اس وادیِ ارم پرور کو لطافت و نزہت، بہجت و مسرت، سے اس قدر لبریز نہیں کیا تھا جتنی کہ وہ اس وقت ہے۔ اس کی فضا یکسر معمورِ حسن اور تمام تر لبریزِ محبت ہے۔ وہ دن کے وقت خیال بندی طلسم ہے اور رات میں سحر کاری خیال ہر پیشانی مسرور نظر آتی ہے اور ہر غنچہ دل نسیم بہجت سے شگفتہ ہوا جا رہا ہے

غرض ہر سمت لذت و انبساط جلوہ فگن ہے۔ اس لیے کہ کشمیر کی مخلوق آج "جشنِ شگوفہ" منا رہی ہے یہ وہ تقریب عیش و طرب ہے جس کے طغیان ابتہاج اور طوفان لذات میں باشندگانِ کشمیر ڈوب جاتے ہیں۔ یہ وہ وقت ہے جب بارامولا کے بلند و شاداب درختوں کی آڑ میں دن اپنی گرم شعاعوں کو تہہ کر کے رکھ دیتا ہے، شام کی سکون پرور ساعتوں میں جھیل کا پانی ایک خنک لذت پیش کرنے لگتا ہے، کشمیر کی دوشیزہ لڑکیاں ریشمی تکیوں سے فرقِ ناز کو جدا کر کے چاندنی کے اتھدہ زعفران زاروں پر اپنے طرزِ خرام سے وہ جادو جگاتی پھرتی ہیں جو صرف حسن و فطرت کے متفق و ہم آہنگ ہو جانے کے بعد ہی نظر آسکتا ہے۔

وادی کے ہر گنج میں صدہا مشعلیں متحرک ہیں، مناروں اور گنبدوں پر ہزارہا چراغ روشن ہیں، اور دور و نزدیک پھولوں کے تختے اور باغوں کی روشیں کثرتِ چراغاں سے ایسا سماں پیدا کر رہی ہیں گویا انفاسِ زمین نورانی شعاعوں کی موجیں ہیں جن کا پرتو ہر ذرے کو ایک دنیائے نور بنائے دے رہا ہے، اور فضائے بسیط کا پیالہ نور اور روشنی سے لبریز کر دیا گیا ہے۔ پھولوں کی پنکھڑیاں شاخوں سے جدا ہو کر گرتی اور روشنی کی موجیں بنتی جا رہی ہیں اس شام تماشا اور تقریب مسرت کے موقع پر نازنینانِ کشمیر اپنے نقابوں کو جدا کر دیتی ہیں اور اپنے رنگین رخساروں کو دکھا کر ایک دفعہ بلبل کو بھی بے نیازِ بہار بنا دیتی ہیں۔

ہر متنفس، ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ اس دنیائے اسباب میں کسی تعلق کی

گرہ سے وابستہ نہیں اور قطعاً آزاد ہے۔ ہر شخص ایک دوسرے سے مل کر یہی کہہ رہا ہے کہ "شگوفہ" اس سے قبل کبھی اس قدر شادمان و فرحناک نہیں ہوا، چاندنی اس سے لطیف تر چاندنی کبھی نہیں پھیلائی، اور گلاب کا پھول کبھی اس درجہ حسین اور شاداب نظر نہیں آیا۔

موج گل کی شدت نے سبزے کو مغلوب رنگ کر لیا ہے اور تابہ حد نگاہ پھولوں کی رنگینی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، طائر صبا کے بازو امواجِ نکہت سے اس قدر گراں بار ہیں کہ پرواز مشکل ہے۔ گویا کہ اس موقع پر پھولوں کی سالہا سال کی پیداوار کو بیک وقت منتشر کر دیا گیا ہے۔ جھیل کے پانی پر مستِ تعطر غنچے اس طرح پڑے لوٹ رہے ہیں گویا کسی پری کا ہار ٹوٹ کر سطح آب پر بکھر گیا ہے۔ سازہائے طرب کی آوازیں رقاصہ ہائے زاہد فریب کے خلخال کی جھنکاریں، نارنجی کنجوں کے اندر ریشمی جھولوں میں جھولنے والیوں کے خندہ ہائے مسرور، گویا سامعے کے لئے شراب کیف پرور کے جام ہیں، جو پے بہ پے دیئے جا رہے ہیں۔

سطح آب پر بھی گوناگوں آوازیں ہنگامہ بپا کر رہی ہیں۔ کشتیاں جو چاندنی میں جھیل پر ادہر سے اُدہر دوڑتی پھر رہی ہیں۔ ان کی صدائے خاموش اور ملاحوں کے پتواروں کی پانی کاٹنے کی آواز، کنجوں اور جھاڑیوں کے اندر چڑیوں کا زمزمہ بے اختیار، اور اسی قسم کی صدہا موسیقیاں یہ معلوم ہو رہا ہے کہ موجوں کے ہر ہر بوسے کا جواب ایک ترانہ دلکش سے دیا جا رہا ہے۔

لیکن اس ہنگامۂ موسیقی میں وہ آوازیں جو موسیقی و ترنم و متنقل جزو معلوم ہوتی ہیں۔ وہ نرم اور سادہ سانسیں ہیں، کسی عاشق کی بانسری سے سہمی ہوئی نکل رہی ہیں۔ عشاقِ دل گرفتہ کی بانسری ایسی ساعت میں ایک آہِ سرد ہوتی ہے۔ کیونکہ مسرتوں میں مسرت تو اس کی ہے جو قربِ یار سے شاد کام ہے، اور جو ماہتاب و موسیقی کے تلاطم میں اپنے محبوب کو پہلو میں لئے ہوئے کشمیر کی جھیل پر کشتی رانی میں مصروف ہے!

عورت، جو ویران ترین مقام کو بھی رشکِ خلد بنا سکتی ہے، ظاہر ہے کہ وہ کشمیر کی فضا میں کیا کچھ نہیں کر سکتی، جہانگیر کو جب شوکت و حکومت اور تفاخرِ فتوحات خوش نہ کر سکتے تو وہ ان اشیائے نمود و نمائش سے بھاگ کر کشمیر کی سرزمین میں تسکین و سکون تلاش کرتا اور کوئی شک نہیں کہ وہ کشمیر کی فضا میں نور محل کی معیت سے اپنے مدعا و مقصود کو پالیتا تھا۔ وہ دولت و عظمت کو فراموش کر کے، اپنی ملکۂ محبوبہ "نور جہاں" کو ساتھ لے کر جھیل کے کنارے گلگشت کیا کرتا، اور ان منتشر پھولوں میں جنہیں نور محل، چلتے چلتے توڑ لیتی اور گیسوؤں میں لگا لیا کرتی تھی، وہ شانِ دلفریبی دیکھتا جو اسے اپنے تاج و نگین میں بھی نظر نہ آتی تھی اور نور محل کی سیاہ زلف کا ایک ہلکا سا چھلا، جو اس کے بلوریں گردن پر قائم ہو جاتا جہانگیر کی نگاہوں میں ساری دنیا کی حکومت سے زیادہ عزیز و قیمتی نظر آتا۔

—— ✧ ——

(۲)

نورمحل، اگر کبھی غمگین و ملول ہوتی تو یہ معلوم ہونے لگتا کہ وہ رعنائی، جو نازنینانِ عالم کے حسن کے لئے وجہ ناز ہو سکتی ہے، صرف اسی کے حسن کا ایک جزو مستقل ہے۔ وہ جب کبھی برہم ہوتی تو اس کا فوراً رفع ہو جانے والا غصّہ اُس کے اندر ایک نئے حسن کو بیدار کر جاتا، جس طرح ہوا کا ہلکا سا جھونکا پھولوں کی ڈالیوں کو متحرک کر دیتا اور وہ اس جنبشِ لطیف میں زیادہ حسین نظر آنے لگتے ہیں، اسی طرح نورمحل کا غصّہ بھی اُسے بے انتہا حسین بنا دیتا تھا۔ جب اُس کے دل میں رحم و کرم کے جذبات پیدا ہوتے، تو اُس کی آنکھوں کی سیاہی کا رنگ زیادہ گہرا اور مقدس ہو جاتا اور اس کے اندر اس کے محسوسات کی روشنی اس طرح چمکتی جیسے اندرونِ خانقاہ سے نزولِ برکات ہوتا ہے۔ جب وہ مسرور ہوتی، تو اس کی کیفیات قلم و الفاظ کی دسترس سے بہت بلند و بالا ہو جاتیں۔ اور اس کی خروش طبعی اُس طائرِ وحشی سے کہیں زیادہ ہوتی جو موسمِ برشگال میں ہمہ تن پرواز ہو کر فضا میں پال کشا ہو جاتا ہے وہ ایسی جودت و ذہانت ذکاوت و ظرافت کا مرکز ہوتی جس سے حکماء عقلاء مسحور ہو جاتے ہیں۔ جب وہ لبشاش و خندہ ریز ہوتی تو دیکھنے والے کے لئے یہ معلوم کرنا دشوار ہو جاتا کہ اس کی ہنسی کس جگہ جلوہ افروز ہوئی ہے، کیونکہ اُس کے رخسار، آنکھیں بلکہ ساری ہستی دمکنے لگتی تھی، گویا وہ کسی چشمے کا مصفّا پانی تھی جس پر ہوا کے جھونکوں سے صدہا غبغب پیدا ہو جاتے ہیں۔

یہ بھی نورمحل کے حسن بے مثال کی نیرنگی۔ یہ بھی اس کے جمالِ بے نظیر کی عشوہ پردازی ہے جس نے مشرق عظمیٰ کے سب سے بڑے شاہنشاہ کو اُس کا غلام بنا رکھا تھا۔

لیکن آج کی شب جب کہ ہر دل مسرور و سرشار ہے۔ نورمحل کہاں ہے؟ اس رونق و شادمانی میں، وادی کی اس شب عیش و طرب میں نورمحل کا جلوۂ طلسم پرور کیوں نظر نہیں آتا؟

اس حال میں کہ عیش و نشاط کا جوش، لطف و طرب کا شوق کشمیر کے حسن و شباب کو یہاں کھینچ لایا ہے، کیا اُسے، جو شباب کی ملکہ اور حسن کی دیوی ہے، خاموشی و غمگینی میں مستور رہنا چاہیئے؟

بسا اوقات ایک ادنیٰ اسی بات اور ایک بے حقیقت واقعہ عشاق کے دلوں میں کشیدگی پیدا کر دیتا ہے، غرض محبت ہستیوں کا ہجر و فراق میں مبتلا رہنا، جہاز کی اسی غرقابی کی مثال ہے، جو طغیانِ بحر میں تو بہتا رہے لیکن جس وقت سمندر حلیم و ساکن ہو تو ڈوب جائے۔ وہ محبت جسے طوفانِ مصائب جنبش میں نہیں لا سکتا، کبھی ایک لفظ سے ایسی ناگوار و نازیبا صورت حال پیدا کر دیتی ہے کہ اس کی لطافتیں ایک ایک کر کے زائل ہونے لگتی ہیں اور وہ دل جو حد درجہ متحد تھے، سحاب منتشر کی طرح آوارہ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ محبت کرنے والی ہستیوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ محبت کو تو صرف پھولوں کی بدھیوں سے باندھ کر رکھا جا سکتا ہے، کیونکہ محبت کا دیوتا بھی آسمانوں کے چمن زار مسرت

میں، اپنے تخت پر گلاب ہی کے ہاروں سے جکڑا ہوا بیٹھا ہے۔
اس قسم کا ایک بے حقیقت اختلاف، اُس رشتے کو جس میں لبریز شوق دل بندھے رہتے ہیں، توڑ دیتا ہے، محبت کی رنجش آسمانوں پر اس ابر کی طرح ہے، جو ابتدا میں تو نہایت خفیف مگر وسعت پاکر خوفناک رعد و برق کا مسکن بن جاتا ہے۔ یہی ابر کثیف ہے جو اس وقت شہنشاہ جہانگیر کے دل پر محیط ہے۔ نورمحل، اُس کی حرم، اُس کی دُنیا اس کی زندگی، کسی ایسی ہی شکر رنجی کے باعث اس کی آنکھوں سے اوجھل ہے، یہی وجہ ہے کہ اس شب عیش و تنعم میں جب کہ زعفران زاروں اور کنج ہائے باغ میں جذبہ لذت اندوزی نے ایک دُنیائے محبت کو آزاد چھوڑ دیا اور ہر متنفس اپنے مدعائے زندگی اور مقصود حیات کو پہلو میں لئے ہے۔ وہ مغموم اور بیگانہ مسرت پھر رہا ہے۔ پری جمال کنیزوں کا وہ ہجوم جو اس فردوسِ ارض میں مہیا ہو سکتا ہے، اس کے گرد حلقہ کئے ہوئے ہے، لیکن اس کا رنگ زرد ہے اس کی آنکھیں پرنم ہیں اور وہ ایک تمثال بے حس بنا ہوا ہے۔ آہ، سچ ہے باغ میں دنیا بھر کے پھول موجود ہوں، تو ہوا کریں، لیکن اگر وہاں گلاب نہیں ہے تو بلبل کو ان سے کیا غرض!

(۳۱)

جشن طرب اور تقریب عیش و انبساط سے بہرہ اندوز نہ ہونے کی جو وجہ جہانگیر کے لئے باعثِ بیزاری و دل گرفتگی ہے، وہی وجہ نورمحل

کو بھی اس لطف و شادمانی سے محروم کئے ہوئے ہے۔ ایک نوجوان خادمہ نعمانہ اس کے ساتھ ہے جو اپنی وفاداری و محبت کے لحاظ سے تمام کنیزوں سے زیادہ ممتاز ہے۔ ان خوبیوں کے علاوہ وہ سحر و پری خوانی کے فن سے بھی واقف ہے جس نے اس کی ہستی کو اور زیادہ عجیب و غریب بنا دیا ہے۔

نعمانہ تسخیر ارواح کی ماہر تھی اور تمام نفوس آتشیں اس کے مطیع تھے آج کی شب اس نے تہیہ کر لیا ہے کہ اپنے علم کی پوشیدہ طاقتوں کو ملکہ کے لئے صرف کر دے گی اور بادشاہ کا تبسم ایک مرتبہ پھر نورمحل کے لئے وجہ انبساط ہو کر رہے گا!

نصف شب گزرنے کے بعد نعمانہ اس طرح اپنی گفتگو شروع کرتی ہے:۔

"وہ ساعت یہی ہے جس میں پھول اور پودوں پر ایک اثر سحر محیط ہو جاتا ہے اور اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس وقت پھول چن کر ہار گوندھ لئے جائیں، تاکہ نورمحل کی پیشانی پر، جو اس وقت محوِ خواب ہے باندھ دیئے جائیں اور جن کے طلسمی اثر سے بادشاہ کی نیند بھی ان خوابوں سے معمور ہو جائے، جن کے راز سے صرف کرۂ آتشیں کے رہنے والے ہی واقف ہیں!"

نورمحل، غمزدہ ملکہ، یکبارگی بیدار ہو جاتی ہے اور بے تاب ہو کر

نعمآنہ کا قطع کلام کر کے پکار اٹھتی ہے۔

"میرے لئے اچھی نعمآنہ، میرے لئے! ہاں، آج کی رات وہ ہار میرے لئے ضرور بناؤ"۔

یہ کہتی ہوئی نور محل بسرعت تمام غزالِ ختن کی طرح ریحان زار میں داخل ہو جاتی ہے کہ اس طلسم بند اور سیمیا اثر سہرے کے تمام پروردہ ماہتاب پھولوں کو جمع کر لے، جو اپنے تقدسِ نکہت کی وجہ سے کیوپڈ تیر و کمان کی سجاوٹ ہو سکتے ہیں۔

الغرض، وہ تمام قسم کے پھولوں سے اپنی گود بھر رہی ہے اور جب اس میں مزید گنجائش نہیں رہ جاتی تو نعمآنہ کے پاس آ کر اپنے اس خزینہ رنگ و بو کو اس کی گود میں بکھیر دیتی ہے۔

ساحرئی فن، نعمآنہ جب اس ساعتِ تبریک و قبول کی نورانیت میں غسل شبنمی پائے ہوئے پھولوں اور غنچوں کے انبار کو دیکھتی ہے، تو خوشی کی ایک لہر اس کی آنکھوں اور رخساروں کو دمکا دیتی ہے۔ وہ کچھ گنگنانے لگتی اور کعطر رنگین کے اس انبار پر جھک جاتی ہے۔ اس پر ایک کیف بے خودی طاری ہو جاتا ہے اور ماحول پر وہ ایک مقدس اثر طاری ہوتے محسوس کرتی ہے، آخر کار وہ اس نکہت سے سیر ہو کر عمل پڑھنا شروع کر دیتی اور پھول گوندھتی ہوئی گنگناتی جا رہی ہے:-

"میں جانتی ہوں کہ وہ روحیں، فرشِ شب جن کی بازی گاہ ہے، کہاں رہتی ہیں؟ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ اپنے

شہپروں کو دن کے وقت پھولوں کی کن پنکھڑیوں میں چھپا دیتی ہیں۔ اس لئے اے سہیلی، ہمیں اپنا ہار جلد گوندھ لینا چاہیئے کیونکہ کل تک تو پھول کمہلا جائیں گے، اور وہ خواب پر لگا کر اڑ جائے گا!

"محبت کا دیوتا، شوق مجسم بن کر پہنچتا اور گلہائے یاسمن کا شعنس چرا کر لے جاتا ہے۔ یاسمن کے وہ پھول اس دوشیزہ کی طرح جس کے لئے کیوپڈ یہ تحفۂ نکہت لے جاتا ہے۔ سائے کے اندر اپنی سانسوں میں اپنی روح شامل کر دیتے ہیں۔ بادام کی بے برگ شاخوں میں نقرئی شگوفے اس طرح پھولے ہیں، جیسے کسی مصیبت زدہ پیشانی کو آیندہ راحت و مسرت کا خیال چمکا دیتا ہے۔ اس لئے اے سہیلی ہمیں اپنا ہار جلد گوندھ لینا چاہیئے کیونکہ کل تک تو پھول کمہلا جائیں گے اور وہ خواب پر لگا کر اڑ جائے گا!

"وہ ہستیاں جو مدفون خزینوں کی چمک دمک؛ اہل دنیا پر اکثر روشن کر دیتی ہیں، اُن کوہستانی جھاڑیوں میں رہتی ہیں جن کے کھانے سے مویشیوں کے دانت سونے کے ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہ ہاتھوں سے نہیں چھوئی جاسکتیں کیونکہ ان کا نظارہ تو ایک خونی انسان کو بھی خوفزدہ کر دیتا ہے۔ اس لئے اے سہیلی، ہمیں اپنا ہار جلد گوندھ لینا چاہیئے

کیونکہ کل تک تو یہ پھول کمہلا جائیں گے ، اور وہ خواب پر لگا کر اڑ جائے گا !

"اس مجروح دماغ کا خواب جو انسانی غلط کاریوں پر متبسم ہوتا ہے ، الائچی کے پیڑ کے اس تنے کی طرح ہے جو تیشے سے زخمی ہوکر زیادہ خوشبو پیدا کرتا ہے ۔ اس لئے اے سہیلی ہمیں اپنا ہار جلد گوندھ لینا چاہئے کیونکہ کل تک تو یہ پھول کمہلا جائیں گے اور وہ خواب پر لگا کر اڑ جائے گا !"

پھولوں کا طرہ طیار ہو جاتا ہے اور نعمانہ اس تاج گل کو نورجہاں کے زیب سر کر دیتی ہے ۔ نورجہاں کی مست خواب آنکھیں نیند سے مغلوب ہو جاتی ہیں ۔ اور جس آہستگی و سکون کے ساتھ گرمیوں میں خوشبو آتی ہے اسی خموشی اور ترقی کے ساتھ اس کے پپوٹوں پر نیند کا افسوں طاری ہو جاتا ہے ، اور دفعتہً نسیم شب ، ہلکے ہلکے سروں کی ہم آہنگی سے لبریز چلنے لگتی ہے اور موسیقی کی روح جو نعمانہ کے عمل کی ہو کلہ ہے فضا پر محیط ہو جاتی ہے اور جب اس کے بازو جنبش میں آجاتے ہیں تو عجیب و غریب شیریں موسیقی پیدا ہونے لگتی ہے ۔ یہ روح فضا میں چکر لگا رہی اور کہہ رہی ہے :-

'ایک فوارۂ موسیقی میرا مسکن ہے اور شب ماہ کے طرہ ہائے گل نے مجھے یہاں کھینچ بلایا ہے ، ایک چشمہ میرا مامن ہے جہاں میں صبح و شام اور روز و شب امواج ترنم کے اندر راحت پذیر رہتی ہوں ، جہاں کی ہوائیں بانسریوں کی

لے سے ملی جلی ہوتی ہیں، جہاں ہر وقت بارش نغمہ ہوتی رہتی ہے، اور جہاں دل سے نکلنے والی ہر آہ ہونٹوں سے جدا ہو کر گیت بن جاتی ہے!

"میں اپنے پرستانی مسکن سے آئی ہوں اور اگر موسیقی میں اثر سحر ہے تو میں اس تنفس کی قسم کھا کر کہتی ہوں جو شب ماہ کے پردہ ہائے سیمیں سے جاری ہے کہ تیرا عاشق پھر ایک دفعہ تیرے قدموں کو اپنی سانسوں سے پُرنم کر رہا ہوگا! میرا نغمہ، وہ نغمہ ہے جو بہ سہولت وسعت اختیار کرتا ہے اور میرے سُر وہ ہلکے سُر ہیں جو سمندر پر باران یخ کے نزول اور اس کی گرمی سے فوراً پگھل جانیکی طرح، خون دل میں شامل ہو جاتے اور دل کو پاک و منزہ کر دیتے ہیں۔ میرا سحر وہ سحر ہے جس کے پُراسرار اثر کے سامنے مسرات ماضی کی روحیں اظہار اطاعت میں جھک جاتی ہیں، میرے طلسم ترانہ نواز کی صدا کے ساتھ یہ روحیں گروہ درگروہ جمع ہو جاتی ہیں، اور میرا گیت وہ گیت ہے جو واجبات محبت کو ایک دل سے دوسرے دل تک اسی طرح پہنچا دیتا ہے۔ جس طرح ایک چڑیا دل کشا ہواؤں میں تیرتی ہوئی الائچی کے بیج ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچا دیتی ہے!

"میرے ایک خفیف لمس سے ایک جنگجو کا دل ایسا نرم و مطیع ہو سکتا ہے جیسے اُس کی کلغی کے سفید پر جو جنگ کی ہلاکت باریوں میں سر بلند و چمکیلے نظر آتے ہیں۔

"میں اپنے پرستانی مسکن سے آئی ہوں اور اگر موسیقی میں اثر سحر ہے تو میں اس شخص کی قسم کھا کر کہتی ہوں، جو شب ماہ کے طرہ ہائے گُل سے جاری ہے کہ تیرا عاشق پھر ایک دفعہ تیرے قدموں کو اپنے سانسوں سے نم آلودہ کر رہا ہوگا!"

صبح کی طلعت نظارہ فروز ہوتی ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ کس اثر انفعال سے متاثر ہو کر پھر ایک دفعہ اپنے نقاب شب رنگ میں روپوش ہو جاتی ہے گویا نمود صبح وہ معشوق مست خواب ہے جو نیند سے بیدار ہو کر ایک ہلکی سی انگڑائی لیتا اور پھر اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔

نور محل کی وہ آنکھیں، جن میں رات آکر پناہ لیتی ہے۔ اس وقت بیدار ہیں۔ وہ اپنی لے نوازی میں محو ہے۔ اس وقت اس کا لحن کمتر انسانی اور بیشتر ملکوتی ہے، کیونکہ اس ساعت سے قبل کسی مطرب و مغنی، کسی لحن طراز و رامشگر کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی، ایسے تازہ نغمات قدس کسی انسان کے ہونٹوں سے ادا نہیں ہوئے۔ وہ انفاس ملائک سے زیادہ شیریں ہیں، اور وہ الوہیت، جو فرشتوں کی سانس میں ہوتی ہے اس نغمہ و موسیقی سے کم ہے!

تو رمحل پر اس حالت و کیفیت سے ایک عالم وجدان طاری ہو جاتا ہے وہ تاب نہ لا کر پکار اٹھتی ہے۔

"خدا کرے یہ حالت و کیفیت، یہ سماں رات ہونے تک قائم رہے، اگر ایسا ہوا تو پھر وہ میرا اور ہمیشہ کے لئے وہ میرا ہو جائے گا!"

وہ پھر گانے لگتی ہے اور ہر ساعت کے بعد نیا گیت شروع کرتی ہے اس خوف سے کہ مبادا یہ ربانی کیف و اثر شام ہونے سے قبل ہی زائل ہو جائے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ جن چیزوں میں اس درجہ سماویت ہوتی ہے وہ سریع السیر ہوتی ہیں۔ لیکن اس کا یہ خطرہ اس دل کا خطرہ تھا جو دفورِ شوق کے باعث اندیشہ مستدر رہتا ہے، اس کی حالتِ کیفیت و تاثر اور ترقی پر ہے، اس کی موسیقی کا تقدس ہر لحظہ بڑھ رہا ہے، یہ غنا کی دیوی، موسیقی کی ملکہ، اندیشۂ دل سے مجبور ہو کر بانسری کے ایک ایک سُر پر بہت دیر تک قائم رہتی اور ہر سُر سے جداگانہ ایک گیت نکالتی ہے یہاں تک کہ اپنی نوائے نغمۂ اور زمزمۂ موسیقی کی کیفیت میں خود بھی مست و بیخود ہو جاتی ہے جس طرح (E C H O) الہتہ الصدا خود اپنے گیت پر عاشق ہو کر اس کے نشے میں سرشار ہو جاتی ہے، اس توقع میں کہ نغمہ اپنی طرب آگینی سے، سرور اپنی نشاط پروری سے، اور کیف جام اپنی سرخوشی سے، شاید اس کے دل کو اس عذاب محبت سے نجات دلا سکے جہانگیر نے شالامار میں آج شام ایک جشن قرار دیا ہے، وہ شالامار جس کے

ایوانوں میں اس وقت جب ستارۂ شام، آئینہ آب میں اپنی پہلی جھلک دیکھتا ہے، کشمیر کی حوریں جمع ہو جاتی ہیں! صنف نازک کے بہترین افراد، نزاکت و رعنائی کے ساتھ باغ کی روشوں پر خراماں خراماں جاتے ہیں اور وہاں کے تسنیم و سلسبیل سے حسن کی شعاعیں پی پی کر شاد کام ہوتے ہیں۔

اس محشرستان حسن و جمال میں، نازنینان کشمیر کے علاوہ، حور و شان حرم شاہی بھی اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ ساتھ جمع ہیں، وہ پری جمالانِ حرم، جن میں زریں زلفوں والی دوشیزگان مغرب، خرام رعنا رکھنے والی نازنینانِ مصر، قبرص کے دامنِ کوہ کی رہنے والیاں جن کا لباس پارہ ہائے الماس سے مزین ہوتا ہے، اور ختا کی خواب آلود آنکھوں والی کنواریاں بھی شامل ہیں۔

الغرض ربع مسکون کا منتخب نمونہ حسن و شباب' شالامار کے لیے وجہ زینت و افتخار بنا ہوا ہے، لیکن حیف! نور محل، وہ ملکۂ جمال جس کے ضیائے تبسم سے دنیا کی رونقیوں میں نور اور جس کی رعنائی سے عالم کے حسینوں میں شانِ دلبربائی قائم ہے نہیں ہے!

شاہنشاہ کا دل و دماغ اس احساس کا آماجگاہ بنا ہوا ہے اور عیش و عشرت کی یہ نمائش بجائے وجہ دل بستگی ہونے کے اس کے لئے وحشت و تنفر کا سامان ہے کیونکہ نور محل کے سوا اور کوئی شے اسے اپنی طرف راغب نہیں کر سکتی!

نورمحل ایک عرب دوشیزہ کے لباس میں، تفریح والوں کی چوکی میں ملی ہوئی وہاں موجود ہے اور اس کا سحر نغمہ تمام فضا پر چھایا ہوا ہے چونکہ اس نے عرب کنواریوں کی طرح اپنا چہرہ نقاب کے اندر چھپا رکھا ہے اس لئے وہ ابھی تک پہچانی نہیں جاسکی ہے وہ دھڑکتے ہوئے دل کیساتھ چاروں طرف اس انتظار و جستجو میں پھر رہی ہے کہ جب مخصوص ساعت آوے تو وہ اپنی بانسری کا جادو آزمائے کہ آیا اس کی صدا میں اس وقت تک وہ اثر باقی ہے یا نہیں۔

باغ میں جابجا چوکیاں بچھا دی گئی ہیں اور کشمیر کی ریشمی چادروں سے ڈھکی ہوئی ہیں، جن پر نظر فریب فواکہ و مشروبات بکثرت موجود ہیں۔ تاکستان قزدین کے چمپئی انگور، سمرقند کے سرخ انار، جن کو فشار دینا ایسا ہے گویا کسی سیال شے کا نچوڑ لینا۔ کشمیر کی ناسپاتیاں، کابل کے سرخ سیب بخارا کے پُر حلاوت زرد آلو، سمرقندی، اخروٹ، خرمائے بصرہ، ایرانی خوبانیاں، خوشنما اور دلفریب برتنوں میں صندلیں کشتیوں میں رکھے ہوئے ہیں، اور حسین و نادر ظروف بلوریں مشروبات سے لبریز ہیں، ان نیلمین و اخضرین، زرین و احمرین مینائوں کے چاروں طرف ایک جلوہ سیال مستقلاً قائم ہوکر رہ گیا ہے۔ بحر اخضر کے تاکستانوں میں پھوٹ نکلنے والی بادۂ انگور ایک روشن شبنم معلوم ہو رہی ہے، شراب شیراز کے رنگ کا یہ عالم ہے کہ گویا وہ عقیق نادر و نایاب جس کے لئے قبلائی خاں نے ایک شہر کی دولت پیش کر دی تھی، مینا کے اندر رقیق

ہو کر رہ گیا ہے!

(۴)

جہانگیر، الم زدہ جہانگیر ان شرابوں کے جام پیہم پی رہا ہے، کثرت مے نوشی سے اپنے خلائے دل کو پر کرنا چاہتا ہے کہ یہ سیلاب ناب اس کے دل میں اس درجہ طوفان خیز ہو جائے کہ پھر وہاں طائر محبت کی پرواز کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہے، مگر اس نے شائد بھلا دیا ہے کہ محبت کا شریر دیوتا تو ساغرِ مے کی لہروں پر بھی شناوری کرتا اور انہیں اپنے ابتسام دائمی سے تجلی ریز بنا دیتا ہے، مطربانِ ہند نے اپنے ادبی تخیل میں کاما دیو کو گل رنگ کنول ہی پر گنگا کی امواجِ تبسم میں تیرتا ہوا دیکھا ہے۔

دورِ ساغر کا لطف بے مزہ ہے، اگر اس آتشِ سیال کو نغمات موسیقی کا تنفس نہ لے اڑے۔ چنانچہ ایک پُر شباب لڑکی اس طرح لحن طراز ہوتی ہے۔

"دن کی روشن ساعتوں میں اور رات کے تاریک لمحوں میں ہم لذتوں سے سرشار ہیں، وہ لذتیں جو کبھی ختم نہیں ہوتیں، جس طرح تابستانی سمندر کہ ایک موج کے بعد دوسری ویسی ہی اور اتنی دلفریب پیدا ہوتی رہتی ہے! وہ محبت جو انتہا کو پہنچ چکتی ہے اپنے دم واپسیں میں دوسری محبت کی تخلیق کا باعث ہوتی ہے۔

اس فضا میں دوشیزگانِ مہوش سانس لے رہی ہیں،
اور اس کا یہ تنفس اس پھول کی طرح معطر ہے جو شہد
کی مکھیوں کے بوسوں سے ابھی ابھی کھلا ہے، اُن کے
اشکِ محبت گوہر بار ابرِ نیساں کی طرح قابلِ قدر
ہیں۔ بلکہ اُس بوسے اور قطرۂ اشک کی قیمت قیاس
و اندازہ کی رسائی سے باہر ہے۔

"یہاں وہ آبِ نشاط جلوہ افروز نگاہ ہے، جسے
محبت نے گدازِ لطافت سے مملو کر دیا ہے، اور جس
کی دلکشی فرشتوں کو اپنے سماوی مسکن سے کھینچ لاتی ہے،
وہ فرشتے اس بادۂ ارضی کے لئے تسنیم و سلسبیل کو
خیرباد کہہ دیتے ہیں، اور نبات الارض کی تجلی نظریں
انجم فلک کو بھول جاتے ہیں، پھر اُن صراحیوں کی
عنبرزا خوشبو کو کون روحِ آسمانی کھو دینا پسند
کرے گی؟"

جارجیا کی اس حسین دوشیزہ کے نغموں سے ہنوز فضا خالی نہ
ہوئی تھی کہ اسی بحرا ولسا نہیں شہروں میں ایک سرود آہنگ ساز
ہو جاتا ہے اور کچھ ایسی لاہوتی موسیقی سے فضا کو معمور کر دیتا ہے،
کہ ہر متنفس نقشِ حیرت بن جاتا ہے کہ موسیقی کے اس مخرج کو معلوم کرے
گویا یہ نشید صورِ اسرافیل کی سب سے پہلی صدائے ہوش رُبا تھی جس نے ہر شخص کے

محسوسات کو اپنے سحر سے مغلوب کر لیا تھا۔

اسی وقت ایک لحن روح نواز اسی سرود کی طرح مبہوت کر دینے والا ساز کے تاروں پر موج زن ہو جاتا ہے اور ساز سے اس درجہ ہم آہنگ ہے کہ سننے والے تمیز نہیں کر سکتے کہ آیا کس میں زیادہ سماویت ہے، ساز سامعہ نواز ہیں یا لحن روح پرور ہیں! الغرض نغمہ و موسیقی ایک نیا عالم پیدا کر دیتے ہیں۔ متعدد آوازیں بیک وقت ہم آہنگ ہو جاتی ہیں کہ" یہ تو وہ نقاب پوش عرب لڑکی ہے۔ سلیم، جو اس رغنار کا سب سے زیادہ ممنون ہو کر کچھ دیر کے لئے مبہوت و بے خود ہو گیا تھا، ہاتھ کے اشارے سے مزید نغمے کا طلب گار ہوتا ہے، اور یہ وجدانی نغمہ ہر شے پر چھا جاتا ہے۔

"چل میرے ساتھ جنگلوں میں نکل چل۔ کیونکہ ہمارے عربی خیمے تیرے لئے موزوں نہیں ہیں، بدقطع لیکن آباد جھت خیموں اور خوبصورت لیکن محروم محبت تاج و نگین کے درمیان انتخاب کرنے میں کون ایسا دل ہے جو غلطی کر سکے؟ ہر چند ہمارا مسکن کوہستان ہے مگر متبسم مرد کی ادا کچھ کم محبوب نہیں۔

ہر چند ہمارے صحرا بے برگ و شجر ہیں، لیکن اس کے دامنوں میں نقرئی گھڑوں والے غزالانِ دشت اس طرح محوِ خرام ہیں گویا وہ شاہی محل کے فرش مرمریں پر چل رہے ہوں۔

"دنیا کی نگاہوں میں ایسی نظریں بھی ہیں، دنیا کی آوازوں میں ایسے لہجے بھی ہیں جو دلوں کے اندر مسرت بن کر تیر جاتے ہیں۔ جب پہلی مرتبہ تیری چشم کرشمہ پرور مجھ پر جلوہ فگن ہوئی اور پہلی مرتبہ تیرے لبوں نے مسیحا طرازی کی تو ہر نظر اور ہر آواز مجھ تک ایسے ہی اثر میں ڈوبی ہوئی آئی، اور گو میرے لئے ان میں اس قدر اجنبیت تھی کہ میں نے انہیں کسی دوسرے ہی عالم سے منسوب کیا، لیکن ان کی پذیرائی میں نے اس طرح کی کہ گویا میں ان سے ہمیشہ کی واقف تھی۔

"اس لئے اگر تیرا دل کسی اور شعلے سے آشنا نہیں ہوا تو میرے ساتھ نکل چل۔ لیکن اگر میرے لئے تجھے اور کسی سے بے وفائی کرنا پڑے اور اس حور کو جس کی تو نے پرستش کی ہے چھوڑ دینا پڑے، تو مجھے رخصت کر دے کیونکہ اس صورت میں مجھے اپنا مسکن کسی یخ بستہ جھیل پر بنا لینا قابل ترجیح ہوگا!"

اس نغمے میں وہ سوز و گداز تھا کہ نغمانہ کے اثر فن کے بغیر بھی سلیم کے دل سوزاں میں گھر کر لیتا، اس کا ہر تنفس اور ہر ترانہ وہ چیز تھی جس سے دنیا کے ہونٹھ اور ساز محروم تھے، اس کے تاروں کی ہر لرزش اور گیت کے ہر بول میں نغمہ و موسیقی کی دیوی کی روح شامل تھی

"وہ کیا تھا؟" یہ نہیں بتایا جا سکتا مگر یہ کہ " وہ سب کچھ تھا!" بالکل مسلم ہے۔

(۵)

جہانگیر ہوش میں آکر سنبھلتا ہے، اور لبریز ساغر کو جو ابتدائے نغمہ و ترنم سے اس کے ہاتھ میں تھا اور ہونٹوں تک نہ جا سکا تھا زمین پر دے مارتا ہے اور اس نئی مطربہ کو جس کا نام اس وقت تک کوئی نہ جانتا تھا، اس نئی مغنیہ کو جسے اس وقت کوئی نہ پہچانتا تھا، بے اختیارانہ پکارتا ہے " نور محل! آہ، میری نور محل! یہ سحر طراز نغمہ اگر تو نے مجھے پہلے سے سنایا ہوتا تو میں اسی وقت تیرے قصور سے چشم پوشی کرتا اور تیری آنکھوں کے سامنے پھر کبھی علیحدہ نہ ہوتا!"

نقاب الٹ جاتا ہے، سحر اپنا کام کر چکتا ہے اور سلیم، نور جہاں کو اپنی نور محل کو اپنی آغوش میں چھپا لیتا ہے، احساس رنجش زائل ہو جانے کے باعث اس کی آنکھوں میں ہر نگاہ حسن و دلفریبی سے مملو تر اور خوبی و دلربائی سے آباد تر ہے! اس کے ہونٹوں پر آ آکر کھیلنے والے تبسم کی ہر نمود زیادہ دِل نشین ہے اور اُس کی آہیں نکہت مسرت سے مالا مال ہیں! اس کا چہرہ جہانگیر کے شانے پر استراحت پذیر ہے اور وہ اپنی خندہ بار آنکھوں سے دیکھتی اور کہتی ہے،" میرے محبوب آقا، بھول نہ جایئے کہ آج جشنِ شگوفہ" ہے!"

فضل الدین نے اس لحاظ سے کہ یہ مثنوی آخری تھی اور اسکے بعد

اب کشمیری شاعر کی کوئی نظم اس کے تکلیف کا باعث نہ ہوگی۔ اس موقعے کو اپنی نقد ولائے کے اظہار کے لئے غنیمت سمجھا، تاکہ وہ بتادے کہ فرامرز کی شاعری اس کی نظر میں کیا درجہ رکھتی ہے۔ اس نے "پست" "غیر مربوط" اور "مہمل" کہنے کے بعد ظاہر کیا کہ "اس نے اپنی مثنویوں کے عنوانات و مباحث کے انتخاب میں بھی غلطی کی ہے، بیدینی و کفر کی دلفریبیوں اور بغاوت و سرکشی کی تعریفوں پر اس کی شاعری کی بنیاد قائم ہے! جہانتک ان افسانوں کا تعلق ہے یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ شاعر کو پرندوں، اور پھولوں سے بڑی محبت ہے، اس لئے میری رائے میں بمقابلہ شاعری کے اسے باغبانی صید افگنی کا پیشہ اختیار کرنا چاہیئے تھا!"

قافلہ ان پہاڑوں کے نشیب سے اتر رہا تھا جو کشمیر کو باقی ہندوستان سے علیحدہ کرتے ہیں، چونکہ اب قیام کی ساعتیں اتنی مختصر ہوتی تھیں جتنی کہ آرام کے لئے ناگزیر تھیں، اس لئے لالہ رُخ کو کوئی موقعہ فرامرز کے دیکھنے کا نہ ملا۔ اُسے احساس ہوا اور دل شکن احساس ہوا کہ اس کی مسرت حیات کا دریائے مختصر ختم ہوگیا، اور اب سوائے ان لمحات کی یاد کے اس کے پاس کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ خواتین حرم نے اس حقیقت کا احساس کیا اور خیال کیا کہ شاہ بخارا اس الم زدہ شاہزادی کو دیکھ کر کیا کہے گا۔ وہ شاہزادی جس کے لئے شعرائے دہلی نے کہا ہے کہ "آذرخانۂ عالم اور بوستان دنیا میں لالہ رُخ بہترین صنعت ہے!" اس کے حزن والم کو کوئی شے دُور کرسکتی تھی تو سب سے پہلے وہ چیز کشمیر بے نظیر کی وادی

ہوسکتی تھی، لیکن وہاں کی لطیف آب و ہوا نے اس پر کوئی خوشگوار اثر پیدا نہیں کیا۔

لالہ رُخ کے ساتھ خواتین کو راستوں کی آراستگی اور آتش بازی کے تماشے نے بیحد خوش کیا۔ اور انہوں نے اس سے نتیجہ نکال لیا کہ شاہ بخارا کس مزاج و طبیعت کا آدمی ہے اور یہ کہ وہ شاہزادی کا نہایت مکمل شوہر ثابت ہوگا۔ خود لالہ رُخ کے لیے ناگزیر تھا کہ اس حشم و خدم، اہتمام و انتظام کی وجہ کو نوجوان عریس شاہی کی عنایت خاص پر منطبق نہ کرے، جو اس رنگ استقبال و طرح پزیرائی کی صورت میں نظر آئی تھی، لیکن ساتھ ہی اس نے اس کرب کو بھی محسوس کیا جو اس اظہار تلطف سے پیدا ہو سکتا تھا۔

جشنِ عروسی کی ساعت شاہزادی کے ورود کی دوسری صبح کو قرار پا چکی تھی، اور اس روز بادشاہ اپنی عروس حور جمال، شاہزادی لالہ رُخ کے دیدار سے اوّل مرتبہ شادکام ہونے والا تھا۔ اس تقریب کے لیے شاہنشاہ اعظم کا قصرِ شالامار تجویز ہوا تھا جو جھیل کے دوسرے کنارے پر واقع ہے ہر چند اس وادی مسرور میں اس رات سے قبل کوئی رات خواب سے معرا اور انتشار و اضطراب سے پُر، لالہ رُخ سے زیادہ کسی اور کے لیے نہ گزری ہوگی، لیکن صبح جب لالہ رُخ پلنگ سے اُٹھی اور خواصیں اُسے جامۂ عروسی سے آراستہ کرنے کے لیے حاضر ہوئیں، تو اُنہوں نے پہلی بار دیکھا کہ شاہزادی اسوقت سے قبل یہ قدر نصف بھی دلکشی و رعنائی کا مرقع نہ معلوم ہوئی تھی۔ کیونکہ بعض اوقات حزن و ملال بھی حسن میں اضافہ کر دیا کرتا ہے۔

خواصیں جب اسکی انگلیوں کو رنگِ حنا دے چکیں اسکی لوحِ پیشانی کو

مرصع جھومر سے آراستہ کر چکیں، تو وہ اس شاہی بجرے تک پہنچائی گئی، جو جھیل کے دوسرے کنارے بصد شانِ عروسی چشم منتظر کی تصویر نما ہوا تھا۔ شاہزادی کے بجرے کے پیچھے ہی فضل الدین کی کشتی تھی، جس کے سنجاب و قاقم کے پردے ہٹائے گئے تھے۔ تاکہ اس کی عظیم واقدس ہستی کا نظارہ ہر شخص کر سکے، اس کا دماغ اس تقریر سے لبریز تھا جو وہ شاہ بخارا کے سامنے کرنے والا تھا۔

کشتیوں کا جلوس رواں، جھیل سے نکلکر اس نہر میں داخل ہوگیا جو شالامار کے پر شوکت و عظمت گنبدوں اور ایوانوں تک پہنچا دینوالی ہے، اور جس کے دونوں جانب باغ کے تختہ ہائے گل آراستہ تھے، کشتیوں کا یہ خرام نرم، باغ کی نکہت بیز فضا سے گذر رہا تھا، جس نے ہوا کو معطر میں ڈبو رکھا تھا اور وسط نہر میں فواروں کا پانی سکون اور تسلسل کی حالت میں بلند ہو رہا تھا جس کے عدم حرکت کے باعث گمان ہوتا تھا کہ یہ الماس کے ستون ہیں، جن پر ضیائے آفتاب پر تو فگن ہے مختلف ایوانوں کی محرابیں طے کرنیکے بعد لالہ رُخ کا بجرہ اس مقام پر پہنچا، جہاں بادشاہ اپنے عروس کے آنے کا منتظر تھا، اور جو تمام قصور و محلات میں بہترین اور عظیم ترین قطر تھا۔ لالہ رُخ کے دل کی دھڑکن اور بدن کی کپکپی کا یہ عالم تھا کہ بجرے سے اتر کر سنگِ مرمر کے زینے تک پہنچنا دشوار تھا۔ ایوان کے حصہ آخر میں دو شاہانہ تخت جو اپنی قدر و قیمت میں گل برگ کے تخت فیروزہ" کے برابر تھے، بچھے ہوئے تھے، ان میں سے ایک پر شاہ بخارا

متمکن تھا اور دوسرا تخت لالہ رُخ یعنی دنیا کی حسین ترین عروس کیلئے مخصوص تھا۔ لالہ رُخ کے ایوانوں میں داخل ہونے کے ساتھ ہی بادشاہ تخت سے اُتر کر آگے بڑھا کہ اپنی ملکۂ جمیل کی پزیرائی میں اپنا دیدۂ دل فرشِ راہ کر دے اور یہ مشکل اس نے شاہزادی کا دستِ نازنین اپنے ہاتھ میں لیا تھا کہ شاہزادی حیرت واستعجاب سے بے تاب ہو گئی، اور ہوش و حواس سے عاری۔

آہ وہ فرآمرز تھا جو اس کے سامنے کھڑا تھا۔ فرآمرز خود شاہِ بخارا تھا، اور شاہ بخارا خود فرآمرز! جو اس طرح تبدیل ہیئت کر کے اپنے بھیجے ہوئے خدام کے ساتھ دہلی پہنچا، اور وہاں سے شاہزادی کی معیت جمیل میں کشمیر پہنچا۔

اس سفر و تبدیل ہیئت سے اس کا منشأ دلی یہ تھا کہ قبل شادی کے لالہ رُخ کی حقیقی محبت حاصل کر سکے اور یہ اس نے ایک ادنی افسانہ طراز کی حیثیت سے حاصل کر لی۔

یہ معلوم کر کے کہ جو کل فرآمرز تھا، آج شاہ بخارا ہے فضل الدین کے اضطراب کا عالم افسوس ناک حد تک پہنچ گیا تھا، لیکن شاہ بخارا نے کچھ اظہار نہیں کیا اور اُسے منصبِ عالی پر فائز کر دیا۔

بادشاہ اور بیگم کی مسرتوں اور کامرانیوں کے جواز میں صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ لالہ رُخ نے بادشاہ کو کبھی فرآمرز کے سوا کسی دوسرے نام سے مخاطب نہیں کیا۔

تمت

دلچسپ افسانے۔ ناول اور تاریخی کتابیں

غولیں	۲/۸	اصلاحات اقبال	۱/۸	شاہین	۶/۸
بازارِ حسن	۴/-	سرخ چین کا رہنما	۳/-	شمع	۵/-
صفیہ	۴/-	خیالات گاندھی	۴/۸	نادرہ	۵/-
سانچ کو آنچ	۳/۸	اسلامی نظریہ سیاست	۱/۸	فتح بیت المقدس	۴/-
انشاءاللہ	۲/۱۲	خان صاحب	۳/-	فتح یرموک	۳/-
وہ لڑکی	۲/-	حیات دستگیر	۲/۸	ام آبان	۳/-
نئی بیماری	۲/۸	حیات عثمان	۱/۸	اسپین کی شہزادی	۵/-
مٹتے نشان	۱/۱۲	فالنامہ نظامی	۱/-	صلیبی جہاد	۵/-
دنیائے تبسم	۲/۸	بابک خرمی	۴/-	تاریخ اسلام	۵/-
سرکنڈوں کے پیچھے	۳/۸	شہزادہ حبش	۳/-	ہاشمی دوشیزہ	۵/-
کیا خوب آدمی تھا	۱/۴	یوسف و نجمہ	۲/۸	آرزو	۳/-
ہندوستان کا مستقبل	۳/۸	بغداد کی حسینہ	۳/۸	پھندنے	۲/-
بادبان	۱/۸	محمد بن قاسم	۵/-	بغیر اجازت	۳/-
دامِ خیال	۲/-	داستان مجاہد	۴/-	بغیر عنوان	۳/-
فلسفۂ تقریر	۱/۸	یوسف بن تاشفین	۶/-	نورجہاں	۱/-
محبوب الشعراء	۱/۸	آخری چٹان	۶/-	گھونگھٹ میں گوری جلے	۲/

ویر شیواجی	۱/۴	سپیرن	۲/۱۲	کنواروں کا کلب	۱/۴
گاندھی جی	۵/-	سانچ کو آنچ	۳/۸	فریاد نغمہ	۱/۸
جواہر لال ہندی	۵/-	سرکنڈوں کے پیچھے	۳/-	منہ کالے	۲/-
جواہر لال اردو	۵/-	شہناز	۳/۸	زہریلا حسن	۲/-
آزاد ہند فوج کا البم	۳/-	موعظۂ حسنہ	۱/۴	جب بتی بجھ گئی	۲/-
سیرت فخر دو عالم	۴/-	حسن معاشرت	۱/۴	حسن کی قیمت	۱/۸
شیر دل خاتون مکمل	۶/۸	اقبال دلہن	۱/۸	سمی پوش	۱/۱۲
شاہنامہ اسلام چار حصے	۸/-	سیرت رسول اکرم	۸ر	دودھ کی قیمت	۲/۴
نقش بہزاد	۱/۸	تحفہ کریمی	۸ر	کھرپا بہادر	۲/۴
کاشانہ روزگار	۱/۸	آفتاب عالم کی کہانی	۳ر	وہ آوارہ ہوگئی	۲/-
موٹر گائیڈ	۴/۸	ہمدرد دو عالم	۵ر	جوانی کی آگ	۲/۴
رفیق النساء	۱/۸	سیرت عمر	۷ر	شیطان	۳/۸
ناگن	۲/-	سیرت الصدیق	۸ر	شکاری عورتیں	۳/-

تاج کمپنی آف انڈیا لمیٹڈ

جامع مسجد

دہلی

تاثرات	۱۴/	لفٹننٹ	۱/۰	فرنٹیر میل	۱/۸
مجھے بھول نہ جانا	۱/-	ملفوظات ٹامی	۱/-	قاتل کی ڈائری	۱/۴
مالک	۲/-	آزادی کا دیوتا	۱۲/	لالچ کا انجام	۱/۸
چھایا	۱/۱۲	بھولا ناتھ	۱۲/	دو سال بعد	۲/۸
اندرا	۱/۸	دنیا ایک کہانی	۱۲/	الجھے تار	۲/-
چندر ناتھ	۱/۸	خونی سماج	۱۲/	مجنوں کی ڈائری	۱/۸
رادھا رانی	۱/۸	راز در راز	۱۲/	سہاگ پریم	۱/۸
سماج کا ڈر	۲/۴	سنگتراش	۱۲/	لطائف الشعراء	۱/۴
عشقِ جہانگیر	۳/-	شعلۂ الفت	۱۲/	بہار اور اردو شاعری	۲/۴
چینی کی انگوٹھی	۱/-	شعلۂ آب	۱۲/	چار سو بیس	۳/-
خطوط کی ستم ظریفی	۱/-	شعلۂ اجل	۱۲/	تحقیقات	۵/۸
فل بوٹ	۱/۸	ماسٹر جی	۱۲/	ہندوستان کی	۱/۲
سوانہ کی روحیں	۱۲/	ٹکٹ	۱۲/	قومی زبان	
قدردان	۸/	نجات	۱۲/	فیس اردو	۳/۱۲
فرزند سرحد	۸/	وطن پرست	۱۲/	ڈائٹرز انگریزی	
مرزا جنگی	۱۲/	آگے بڑھو	۱۲/	جہاں آرا	۲/۸

تاج کمپنی آف انڈیا لمیٹیڈ۔ جامع مسجد۔ دہلی

باپ کا خط بیٹی کے نام

آپ اپنی بیٹی کو اس کی شادی کے موقع پر لاکھوں روپے کا جہیز دیدیجئے اگر خدانخواستہ سسرال والوں سے اس کی نہ نبھی تو بیٹی کی زندگی تباہ ہو جائے گی اور لاکھوں روپے کا جہیز ہرگز ہرگز کام نہ آئیگا۔ اسی لئے اس کا انتظام آپ بیٹی کو سسرال جانے سے پہلے کر دیجئے۔ لڑکی کو کتاب "باپ کا خط بیٹی کے نام" پڑھادی جائے تو اسے خواہ کیسی ہی سسرال میسر آئے وہ اسکو اپنے مطلب کا بنا سکے گی۔ قیمت ایک روپیہ۔

قیمتی جہیز

ہندوستان کی سسرال میں دلہن کے لئے زندگی کو عذاب بنا دیا گیا ہے اور یہ سب بزرگوں کی غفلت کا نتیجہ ہے۔ کبھی دلہن کو کبھی یہ بتلانے کی تکلیف گوارا نہیں کی جاتی کہ سسرال کی نئی اور نرالی دنیا میں پہنچنے کے بعد پریشانی اور بدحواسی سے دامن بچا کر سسرال کو کس طرح محبت اور الفت کی جنت بنایا جا سکتا ہے۔ نئی دلہن کو اس تلخ کامی سے بچانے کے لئے محمد رحیم دہلوی کتاب "قیمتی جہیز" پیش کرتے ہیں۔ قیمت مجلد ایک روپیہ

لعل و گوہر

رضیہ سلطانہ دہلوی کی ہزاروں کتابیں آپ تک پہنچ چکی ہیں ان کی یہ کتاب حیدرآباد وغیرہ کے اسکولوں میں منظور ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شیخ الجامعہ نے اسے انعامی کتابوں میں شامل کیا ہے اور گاندھی جی نے اس کی تعریف کی ہے۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے۔

تاج کمپنی آف انڈیا لمیٹڈ۔ جامع مسجد۔ دہلی